پہلا باب

ڈاکٹر عثمانی اور عذاب برزخ

ڈاکٹر عثمانی صاحب کے نزدیک منکر نکیر کے سوال کرنے سے پہلے روح کو ایک جسم مثالی میں داخل کیا جاتا ہے یہی جسم مثالی اس کے لیے قبر ہوتا ہے روح کا جسم مادی کے ساتھ جو کہ مٹی میں دبا دیا گیا ہے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ منکر نکیر کے سوال اور عذاب و راحت کے معاملات جسم مثالی پر ہوتے ہیں جسم مادی پر نہیں۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''ان ساری صحیح حدیثوں نے بتلا دیا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص وفات پا جاتا ہے اس کو حسب حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم و روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے سارے حالات گزرتے ہیں اور یہی اس کی اصل قبر بنتی ہے'' (ص 9 عذاب برزخ)

اس مجموعہ کو قیامت تک باقی رکھا جائے گا اور اس پر سارے حالات قیامت تک گزریں گے (ص 6 عذاب برزخ)

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اپنا جو عقیدہ ظاہر کیا ہے وہ انہوں نے بعض حدیثوں کو لے کر بنا لیا ہے جبکہ اس موضوع سے متعلق دوسری صحیح احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب و ثواب کا جسم مادی سے تعلق ہوتا ہے ان حدیثوں کو انہوں نے سرے سے نظر انداز کر دیا ہے جو کہ دیانت کے خلاف ہے اور بڑی ناانصافی ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب کے عقیدے کے خلاف دلائل

1- بخاری کی صحیح حدیث ہے۔

عن ابی هریرة عن النبیﷺ قال کان رجل یسرف علی نفسه فلما حضره الموت قال لبنیه اذا انامت فاحر قونی ثم اطحنونی ثم ذرونی فی الریح فو الله لئن قدر الله علی لیعذ بنی عذابا ما عذبه احدا فلما مات فعل به ذلك فامر الله تعالیٰ الارض فقال اجمعی مافیك منه ففعلت فاذا هو قائم قال ما حملك علی ما صنعت قال مخافتك یا رب فغفرله (بخاری ص 495)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دے نا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قدرت پائی تو مجھے وہ ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے ساتھ ویسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا اور وہ آدمی کھڑا موجود ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا تیرے ڈر سے اے میرے رب۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو یہ ڈر ہوا کہ قبر میں میرے جسم مادی پر سخت عذاب ہوگا تو اپنی نادانی سے اس نے یہ خیال کیا کہ اگر میں اپنے جسم مادی کو اس طرح ریزہ ریزہ کر کے اڑا دوں گا تو شاید اس طرح سے عذاب قبر سے بچ جاؤں گا۔ یہ خیال کرنا کہ وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری سے خوفزدہ ہوا اور اس نے اس لیے یہ تدبیر کی تو یہ خیال کرنا صحیح نہیں کیونکہ مٹی کی قبر میں دفن کئے جانے کے بعد بھی عام طور سے جسم کچھ عرصے میں ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور پھر بالآخر قیامت کے دن رب کے

حضور پیش ہونے پر یقین رکھنا تو ضروریات دین میں سے ہے۔تو اس شخص کو یہ خوف ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے مادی جسم پر عذاب واقع کریں گے۔اگر اس کا یہ عقیدہ غلط ہوتا تو ضروری تھا کہ نبی ﷺ اس قصے کو نقل کر کے عقیدے کی تصحیح فرماتے ۔ نبی ﷺ کا یہ واقعہ بیان کرنا اور مذکورہ شخص کے عقیدے پر انکار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کا عقیدہ صحیح تھا۔

2- عن زيد بن ثابت قال بينا رسول الله ﷺ فى حائط لبنى النجار على بغلة له و نحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه و اذا اقبر سته او خمسه فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر قال رجل انا قال فمتى ماتوا قال فى الشرك فقال ان هذه الامة تبتلى فى قبورها فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذى اسمع منه ...... الخ (مسلم بحواله مشكوة، باب اثبات عذاب القبر)

حضرت زید بن ثابت ؓ کہتے ہیں اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ بنونجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرادے۔ ناگاہ سامنے پانچ یا چھ قبریں تھیں آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان قبر والوں سے کون واقف ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ میں (واقف ہوں) آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان کی وفات کب ہوئی تھی اس شخص نے جواب دیا کہ (زمانہ) شرک میں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائش کی جاتی ہے اور اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سن رہا ہوں اللہ وہ تم کو بھی سنوا دیتا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد فلولا ان لا تدافنوا (اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے) خود اس پر دلیل ہے کہ عذاب اس مٹی کی قبر میں جسم مادی پر ہوتا ہے کیونکہ اگر جسم مثالی پر واقع ہو اور جسم مادی سے کچھ تعلق نہ ہو تو اس کے

اعتبار سے دفن کرنا نہ کرنا برابر ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان فضول ہوتا جب کہ آپ ﷺ کے فرمان کا فضول ہونا محال ہے۔

بخاری اور مسلم کی ایک اور صحیح حدیث میں ہے

عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان العبد اذا وضع فى قبره و تولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه فيقولان ماكنت تقول فى هذا الرجل لمحمد فاما المومن فيقول اشهد انه عبدالله و رسوله فيقال له انظر الى مقعدك من النار قد ابدلك اللّٰه به مقعدا من الجنة فيراهما جميعا و اما المنافق و الكافر فيقال له ما كنت تقول فى هذا الرجل فيقول لا ادرى كنت اقول ما يقول الناس فيقال له لا دريت ولاتليت و يضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين۔

حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلا شبہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پھر جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی چاپ سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تم ان صاحب یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ جو مومن ہوتا ہے وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھ جس کو اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے وہ مومن دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے اور جو کافر اور منافق ہوتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا اس کو کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے کام لیا اور نہ ہی نقلی دلیل کو اختیار کیا اور اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے جس سے وہ ایسی چیخ مارتا ہے جو سوائے انسانوں اور جنوں کے آس پاس موجود سب جاندار سنتے ہیں۔

اس حدیث میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب کا عقیدہ ان کے خلاف ہے۔

الف۔ایک بات یہ ہے کہا گیا اِن العبد اذا وضع فی قبرہ (جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے)عبد یعنی بندے کے لفظ کا حقیقی معنی اس وقت ہوتا ہے جب جسم انسانی پایا جارہا ہو فقط روح کو عبد نہیں کہا جاتا دیکھئے قرآن پاک میں بھی ہے سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی)

یہ موقع تھا کہ سننے والے خیال کرتے کہ شاید فقط روح مبارکہ کو لے گیے ہوں یعنی معراج روحانی ہوئی جیسا کہ بعض لوگ فی الواقع ایسا اعتراض بھی کرتے ہیں تو اس خیال اور اعتراض کو بعبدہ کا لفظ لاکر دفع کیا کہ ہم اپنے بندے کو جسم سمیت لے گیے تھے فقط ان کی روح نہیں لے گیے تھے۔

غرض جب عبد کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب جسم انسانی پایا جارہا ہو تو جسم انسانی یعنی مادی جسم کے ہوتے ہوئے اس کو جس قبر میں رکھا جاتا ہے وہ وہی ہے جو زمین کھود کر بنائی جاتی ہے لہٰذا ڈاکٹر عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ جسم مثالی ہی اصل میں قبر ہوتا ہے اس حدیث کے خلاف ہے۔

ب۔آگے ہے فیقعدانه (دوفرشتے اس کے پاس آکر اس کو بٹھاتے ہیں)

سوچنے کی بات ہے کہ وہ فرشتے اس کو کیوں بٹھاتے ہیں جب کہ ڈاکٹر عثمانی کے بقول پہلے سے تیار شدہ جسم میں روح کو ڈالا جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ جسم مثالی پہلے لٹا کر رکھا ہوا تھا یا کسی اور ہیئت میں تھا؟ جو بھی ہیئت تھی قرآن وحدیث سے اس کی دلیل ضروری ہے اور اگر وہ لٹا کر ہی رکھا ہوا تھا تو یہ کیا وجہ ہے کہ عام ضابطہ یہی ہے کہ فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں وہ ان کے حکم دینے سے پہلے خود کیوں نہیں اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ عام ضابطہ کی کوئی وجہ ہونی ضروری ہے اور اس کا علم بھی ضروری ہے تاکہ دوسرے احتمالات کی نفی ہوسکے علاوہ ازیں عثمانی صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ شہداء

کی ارواح کو پرندے کی شکل کے جسم مثالی ملتے ہیں اب اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو اٹھا کر کس طرح بٹھایا جاتا ہوگا؟

ڈاکٹر عثمانی صاحب فقط جسم مثالی کے قائل ہوکر تو ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتے البتہ اہل سنت کے نزدیک جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ مٹی کی قبر میں میت کو لٹاتے ہیں فرشتوں کے آنے سے پہلے اس جسم مادی کا اس کی روح کے ساتھ اتنا تعلق قائم ہوتا ہے کہ وہ سوال و جواب کے مرحلے سے گزر سکے چونکہ تعلق بقدر ضرورت ہوتا ہے اس لیے اس میں اس سے زیادہ حرکت اور دیگر تقاضوں کا داعیہ بھی پیدا نہیں ہوتا اسی کو اعادہ روح کہا گیا ہے یہ ایسا نہیں ہے کہ دنیا کی طرح پوری روح اس کے جسم میں ڈال دی جاتی ہو اور وہ عالم دنیا کی طرح زندہ اور متحرک ہوجاتا ہو۔

ج۔ حدیث کے آخر میں یہ مضمون ہے فیصیح صیحة یسمعها من یلیه غیر الثقلین (فرشتوں کے گرز مارنے پر مردہ ایسی چیخ مارتا ہے جو جنوں اور انسانوں کے علاوہ آس پاس اور جاندار سنتے ہیں)

ڈاکٹر عثمانی صاحب اور ان کے پیروکار ذرا سوچیں کہ جب خود ان کے بقول جسم مثالی پر عذاب جہنم میں ہوتا ہے تو وہاں آس پاس کون سے انسان اور جن اور دیگر جاندار ہوتے ہیں کہ جن میں سے کچھ کو چیخ سنوائی جاتی ہے اور کچھ کو نہیں وہاں جو انسان قریب میں ہوں گے وہ خود عذاب میں مبتلا ہوں گے اور خود بھی چیخ رہے ہوں گے ایک دوسرے کی چیخ کان میں پڑ جائے گی تو کونسی مصلحت فوت ہوتی ہے؟ ہاں اگر دنیاوی قبر میں جسم مادی پر عذاب واقع ہو اور مردہ چیخے تو البتہ جنوں اور انسانوں کے اس کو سننے سے مصلحت فوت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللّٰہ ان یسمعکم من عذاب القبر (اگر اس کا ڈر نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو عذاب قبر سنوا دے)۔

مذکورہ بالا احادیث اور ان کے مضامین پر غور کرنے سے اہلسنت کے عقیدہ ہی کا صحیح ہونا معلوم ہوا اور وہ یہ ہے کہ قبر میں رکھے جانے کے بعد جسم مادی کے ساتھ روح کا ایک قوی تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے مردہ کو فرشتے بٹھا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں اعادہ روح سے یہی مراد ہے اور پھر مردے پر عذاب و راحت کے حالات گزرتے ہیں ۔ روح کا اصل مستقر مٹی کی قبر میں موجود جسم نہیں ہوتا بلکہ وہ اور مقام ہے نیکوں کیلیے علیین اور کافروں کیلیے سجین یا کوئی اور مقام اسکے ساتھ ساتھ اگر بعض کو یا کل کو جسم مثالی بھی ملتا ہو اور روح کا تعلق اس کے ساتھ بھی قائم ہو جاتا ہو تو یہ بھی مستبعد نہیں ۔

ہمارے قول پر چند اشکالات و اعتراضات واقع ہوتے ہیں جن کو ذکر کر کے ہم ان کے جواب دیتے ہیں ۔

پہلا اشکال:

ڈاکٹر عثمانی صاحب کے الفاظ میں اشکال اس طرح ہے ۔

''افسوس کہ آج دنیا والوں کی اکثریت نے اسی دنیا کے ایک خطہ کو وہ قبر ماننا شروع کر دیا جہاں سوال و جواب کے لیے ہر مرنے والے کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور پھر قیامت تک اس کے ساتھ عذاب یا راحت کا معاملہ ہوتا رہتا ہے درآنحالیکہ ہر ایک جانتا ہے کہ کتنوں کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے کسی کو درندہ ہڑپ کر جاتا ہے اور کوئی مچھلیوں کے منہ کا نوالہ بن جاتا ہے آخر ان مرنے والوں کو کیسے اٹھا کر بٹھایا جائے گا کیسے سوال و جواب ہوگا اور کس طرح ان پر عذاب و راحت کا دور قیامت تک گزرے گا۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ ہر مرنے والے کو قبر دیتا ہے چاہے وہ زمین میں دفن کیا جائے یا کسی درندے کے پیٹ میں جا کر فضلہ بن جائے ۔

قتل الانسان ما اکفره من ای شئی خلقه من نطفة خلقه فقدره ثم السبیل یسره ثم اماته فا قبره ثم اذا شاء انشره۔

''مارا جائے انسان (دشمن حق) کیا ناشکرا ہے کس چیز سے اللہ نے اس کو پیدا کیا؟ نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اس کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی پھر اسے موت دی اور قبر عطا فرمائی پھر جب اسے چاہے گا زندہ کرے گا۔(عذاب برزخ ص 2)

جواب

جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اوپر ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے جو مضامین اور نتائج حاصل ہوتے تھے انکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں جو قاعدہ ذکر ہے وہ اکثری ہے کلی نہیں ہے ۔

دیکھئے ثم السبیل یسره (پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی) تمام انسانوں کے لیے نہیں ہے کیونکہ بعض بچے مردہ پیدا ہوتے ہیں ۔

اسی طرح من نطفة خلقه (نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اس کو پیدا کیا) بھی تمام انسانوں پر صادق نہیں آتا اور حضرت آدم، اماں حوا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی پیدائش نطفہ سے نہیں ہوئی ۔

جب ثابت ہوا کہ اس آیت میں جو قاعدہ اور معمول ذکر ہے وہ کلی نہیں بلکہ اکثری ہے تو اعتراض خود بخود اٹھ گیا کیونکہ اکثر انسانوں کو بہر حال مٹی کی قبر ملتی ہے اور دین میں بھی ۔ جیسا کہ ہابیل وقابیل کے قرآنی قصے سے واضح ہے ۔ اصل مردوں کو زمین کے اندر دفن کرنا ہے ۔

یہ مان لینے کے بعد کہ اس آیت میں سب انسانوں کی بات نہیں ہے بلکہ اکثر کی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جل جانے اور درندے کے کھا لینے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ شریعت نے خاص ان کے بارے میں کچھ ذکر نہیں فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کچھ نہ کچھ معاملہ یقیناً فرماتے ہوں گے اس کا ہمیں علم نہ بھی ہو تو مضر نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جل جانے یا درندے کے کھا جانے کی صورت میں بھی مادی جسم معدوم نہیں ہو جاتا صرف اتنا ہے کہ اس کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اور انکی شکل تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث سے پتا چلتا ہے جس میں ہے کہ ایک شخص نے عذاب کے ڈر سے اپنی لاش کو جلانے اور راکھ کو اڑانے کی وصیت کی تھی اب سمجھنا چاہئے کہ عالم برزخ عالم دنیا سے بہت مختلف ہے اور اس کے حدود اور احکام جدا ہیں۔ اجزاء اکھٹے ہوں یا ....متفرق ہوں۔ عالم برزخ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا نیز راحت وعذاب کے حالات عالم برزخ میں صرف ایک ذرہ مادی پر واقع ہوں تو یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے۔

اعتراض صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا جب ہم یہ کہتے کہ روح کو دوبارہ جسم مادی میں دنیا کے عالم کی طرح داخل کر دیا جاتا ہے۔ جب ہم اس کے قائل ہی نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اعتراض تو اپنے مستقر میں رہتی ہے اور وہاں رہتے ہوئے اس کا تعلق جسم مادی سے قائم رہتا ہے۔ تو خواہ جسم کے اجزاء اکھٹے ہوں یا متفرق ہو گئے ہوں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرا اشکال:

جل جانے اور درندے کے کھا لینے کی صورت میں کیسے بٹھایا جاتا ہو گا اسی طرح قبر کی کشادگی اور اژدہوں کا ڈسنا کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

جواب

ہمیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے یہاں بھی اور دیگر مقامات میں بھی علمی دامن کو چھوڑ کر عامیانہ انداز کو اختیار کیا ہے اہلسنت کے عقیدے کو وہ صحیح طور پر نہ

پیش کرتے ہیں اور نہ ہی خود سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اہلسنت کہتے ہیں کہ وہ عالم عالم برزخ ہے جو ہماری آنکھوں اور حواس سے اوجھل ہے، دوسرے روح اپنے مستقر میں رہتی ہے۔ مادی جسم میں دنیا کی طرح نہیں لوٹتی کہ زندہ در گور کا معاملہ ہو اور فرشتے قبر میں آکر مردے کو بٹھاتے ہیں تو وہ عالم برزخ میں بٹھاتے ہیں ورنہ عالم مادی میں تو ہمیں جسم لیٹا ہوا ہی نظر آتا ہے جیسے عالم خواب میں ایک شخص بیٹھا یا کھڑا ہوتا ہے یا دوڑ رہا ہوتا ہے حالانکہ عالم مادی میں وہ اپنے بستر میں لیٹا ہوا نظر آرہا ہوتا ہے۔

جب عالم برزخ کے اعتبار سے مردے کے اجزاء کے اکھٹے یا متفرق ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے تو عالم برزخ میں ان اجزاء پر بیٹھنے کی کوئی کیفیت وارد ہو تو تعجب کی کونسی بات ہے۔

اسی طرح قبر کی کشادگی اور اژدہوں کا ڈسنا عالم برزخ میں ہوتا ہے عالم مادی میں نہیں جیسے عالم خواب میں کوئی زہریلا سانپ کسی کو ڈس لے جب کہ عالم مادی میں وہ سانپ نہیں ہوتا۔ لیکن عالم خواب اور عالم برزخ میں فرق ہے کہ عالم خواب عام طور سے ایک خیالی عالم ہے جب کہ عالم برزخ ایک واقعی عالم ہے۔

تیسرا اشکال:

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''دوران گفتگو یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ نیک انسانوں کی روحیں علیین میں اور برے لوگوں کی سجین میں رکھی جاتی ہیں........ پھر اگر کہا جائے کہ علیین اور سجین روحوں کے رہنے کی جگہیں نہیں بلکہ نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال ناموں کے دفتر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کلاان کتب الفجار لفی سجین .... کلا ان کتب الابرار لفی علیین .... تو منہ دیکھنے لگ جاتے ہیں گویا یہ بات پہلی مرتبہ آج ہی سنی ہے'' (ص 21 عذاب برزخ)

جواب

ہمیں ڈاکٹر عثمانی صاحب پر تعجب ہے کہ فاضل وفاق المدارس کے مدعی ہونے کے باوجود اتنی سی بات نہیں سمجھ سکے۔قرآن پاک میں اعمال ناموں کے دفتر کو علیین اور سجین کہا گیا ہے تو ہم نے یہ کب کہا ہے کہ ان رجسٹروں میں روحیں رہتی ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جن جگہوں پر روحیں رکھی جاتی ہیں وہ جگہیں بھی علیین اور سجین کہلاتی ہیں۔ ہاں صرف اتنی بات ہے کہ علیین اور سجین دو چیزوں کے نام ہوئے ایک تو رجسٹر کو کہتے ہیں اور دوسرے ایک جگہ کو کہتے ہیں اور دو چیزوں کا ایک ہی نام ہونا محال نہیں ہے۔

چوتھا اشکال:

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں

''پوچھا جائے کہ پھر قرآن کے اس فرمان کا کیا ہوگا کہ قبر کے مردے بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمق تک نہیں کہ اموات غیر احیاء''(ص 15 عذاب برزخ)

جواب

اول تو اس آیت کا مضمون عالم دنیا اور عالم مادی کے اعتبار سے ہے عالم برزخ کے اعتبار سے نہیں دوسرے ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ عالم برزخ میں مردہ بایں معنی زندہ ہوتا ہے کہ اس میں روح موجود ہوتی ہے بلکہ روح اپنے مستقر میں ہوتی ہے اور وہیں ہوتے ہوئے جسم مادی کے ساتھ اس کا ایک رابطہ اور تعلق قائم رہتا ہے۔ جو حالات عالم برزخ میں جسم مادی پر وارد ہوتے ہیں روح اپنے مستقر میں رہتے ہوئے ان کا ادراک واحساس کر لیتی ہے۔

ڈاکٹر عثمانی کے عقیدے کے غلط ہونے کی ایک اور دلیل

آخر میں ہم وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جسے ڈاکٹر عثمانی صاحب نے خود ذکر کیا ہے اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے ان کا مسلک غلط ہے لیکن پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ روحوں کو جسم مثالی جنت یا دوزخ میں ملتے

ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں

''اب ان دلائل کے بعد کہ نبی ﷺ اور شہداء اپنی دنیاوی قبر میں زندہ نہیں بلکہ عرش الٰہی کے نیچے اپنے بہترین گھروں میں زندہ ہیں یہ کہا جانے لگتا ہے کہ نبی ﷺ اور شہداء کی بات ہی اور ہے کسی اور کی زندگی کو جنت میں ثابت کیا جائے اس بات کے ثبوت میں بخاریؒ نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم کا واقعہ لائے ہیں (ترجمہ) براء بن عازب ؓ روایت کرتے ہیں کہ جب ابراہیم ؓ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔

اس حدیث سے ابراہیم ؓ کا جنت میں موجود ہونا اور ایسے جسم کے ساتھ جو چھاتی سے دودھ کھینچ سکے اسی طرح ثابت ہوا جیسے گزری ہوئی بخاری کی حدیث سے یہ ثابت ہوا تھا کہ عمرو بن لحی الخزاعی جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا''(ص9 عذاب برزخ)

اب وہ حدیث دیکھئے

'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لیکن میں نے رات دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور انہوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور مجھے باہر نکال کر ایک ارض مقدس کی طرف لے گئے.........ہم چلے یہاں تک کہ ایک سرسبز وشاداب باغ میں پہنچے اس میں ایک بڑا درخت تھا اور اس درخت کی جڑ کے پاس ایک بزرگ اور بچے تھے اور درخت کے قریب ایک صاحب تھے جن کے سامنے آگ تھی اور وہ اسے بھڑکا رہے تھے.......(ان دو شخصوں نے بتایا کہ) وہ شخص جو درخت کی جڑ کے پاس تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بچے جوان کے گرد تھے وہ انسانوں کی اولاد تھے اور جو آگ بھڑکا رہے تھے وہ مالک داروغہ جہنم تھے ''(ص5 عذاب برزخ)

اس حدیث کے الفاظ ''وہ مجھے باہر نکال کر ایک ارض مقدس کی طرف لے گئے ''اور'' ہم چلے یہاں تک کہ ایک سرسبز وشاداب باغ میں پہنچے'' اس بات پر صریح دلیل

ہیں کہ وہ مقام جہنم کا نہیں تھا اور یہ الفاظ ''درخت کے قریب ایک صاحب تھے جن کے سامنے آگ تھی اور وہ اسے بھڑکا رہے تھے'' اس بات پر کھلی دلیل ہیں کہ وہ مقام جنت کا بھی نہیں تھا کیونکہ جنت میں آگ ہونا اور اس کو بھڑکانا بے معنی بات ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اجسام مثالیہ نہ جنت میں تھے اور نہ دوزخ میں تھے بلکہ ان سے ہٹ کر کسی اور عالم میں تھے اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ان اجسام مثالیہ میں روحیں بھی داخل تھیں تو ڈاکٹر عثمانی صاحب کا یہ عقیدہ کہ اجسام مثالیہ صرف جنت یا جہنم میں ہوتے ہیں غلط ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کی ارواح تو جنت یا جہنم میں تھیں اور اجسام مثالیہ عالم برزخ میں کسی اور جگہ تھے تو پھر ان اجسام کا ارواح کے ساتھ کوئی ربط وتعلق ماننا پڑے گا۔

دوسرا: باب

ڈاکٹر عثمانی اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''بخاری نے اس طرح واضح کر دیا کہ جو لوگ نبی ﷺ کو اپنی مدینہ والی قبر میں زندہ مانتے ہیں وہ گویا یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کے بجائے دنیا والوں کی رفاقت کی ترجیح دی تا کہ دنیا والوں کا قبر کے پاس پڑھا ہوا درود وسلام سنیں اور اس کا جواب دیں یہ عقیدہ صرف یہی نہیں کہ باطل ہے بلکہ ان لوگوں نے اپنی غلط بات ثابت کرنے کے لیے نبی ﷺ کو زندہ درگور تک کر دکھایا ہے'' ص6 (نبی ﷺ اور شہداء اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں)

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے علم کے نام پر علم کے ساتھ انتہائی ناانصافی کی ہے ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ روح کیلیے ایک مستقر ہے اور وہ وہیں ٹھہرتی ہے البتہ جسم مادی کے ساتھ اس کا ایک تعلق قائم رہتا ہے یہ تعلق متفاوت ہوتا ہے مثلاً شہداء میں یہ تعلق دیگر اموات کے مقابلے میں قوی تر ہوتا ہے اس وجہ سے ان کے جسم ایک بڑی مدت تک باقی رہتے ہیں اور انبیاء علھیم السلام میں یہ تعلق تو شہداء سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان کے اجسام مبارکہ نہ صرف یہ کہ محفوظ رہتے ہیں بلکہ ان سے بعض مخصوص افعال بھی صادر ہوتے ہیں مثلاً نماز پڑھنا۔ مادی دنیا میں گو ہمیں یہ افعال ہوتے نظر نہ آئیں لیکن عالم برزخ جو کہ ہماری آنکھوں سے اوجھل عالم ہے وہاں

یہ افعال واقع ہوتے ہیں۔

اہلسنت کا حیات النبی کے نام سے جو عقیدہ ہے وہ فقط اتنا ہے جو ہم نے ذکر کیا یہ حیات عالم برزخ میں ہوتی ہے لیکن چونکہ قوی ترین تعلق کی بنا پر عالم برزخ میں اس مادی جسم کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس لیے یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اہلسنت کے عقیدہ کو صحیح طور سے سمجھا ہی نہیں اور جو غلط سلط سمجھا اس کو اہلسنت کی طرف منسوب کر کے ان کو قرآن وحدیث کا مخالف کہنے لگے یہ تعجب کی بات ہے حالانکہ ان کا عقیدہ قران پاک کے عین موافق ہے۔

اہلسنت کے عقیدہ کا قرآن کے موافق ہونا

اہلسنت کا جو عقیدہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ قرآن پاک کے عین موافق ہے قرآن پاک میں ہے:

اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منا مھا فیمسك التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الٰی اجل مسمی۔ (سورۃ زمر آیت 42)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسروں کو ایک مقررہ مدت تک۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو نیند میں کھینچ لیتے ہیں تو سوئے ہوئے آدمی کی روح اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے لیکن جسم سے افعال تک صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً کروٹ بدلنا، ٹانگ سکیڑنا، بولنا یہاں تک کہ بعض لوگ تو نیند میں چلنا شروع کر دیتے ہیں اور بچے اپنا سبق دہرانے لگتے ہیں۔

دیکھیے جو عقیدہ ہم نے بیان کیا وہ اس کیفیت کے ساتھ موافقت رکھتا ہے روح

جسم مادی سے علیحدہ اپنے مستقر میں رہے البتہ جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہو جو اگر قوی ترین ہو تو جسم سے نماز کا فعل صادر ہونے لگے بس اتنا فرق ہے کہ نیند میں ہمیں جسم سے صادر ہونے والے افعال کا شعور نہیں ہوتا اور عالم برزخ میں یہ شعور ہونا ناممکن نہیں۔

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھائیے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو بعینہ یہ معاملہ حیات دنیوی میں پیش آتا تھا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی (میری دونوں آنکھیں سوتی ھیں لیکن میرا دل نہیں سوتا) (بخاری ج 1 ص 154)

اس حدیث کے ساتھ جب مذکورہ بالا آیت کا مضمون ملائیے تو بات یہ بنے گی کہ نیند کے وقت رسول اللہ ﷺ کی روح مبارکہ آپ کے جسم مبارک سے خارج ہوتی ہے لیکن روح کے ساتھ قوی ترین تعلق کی بناء پر آپ کا قلب مبارک کام کرتا رہتا ہے اور آپ ﷺ کو نیند کی حالت میں بہت سے امور کا شعور وادراک بھی حاصل رہتا ہے۔

غرض عقیدہ حیات النبی کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے اس کے مطابق نہ تو رسول اللہ ﷺ کا قبر مبارک میں نماز پڑھنا مستبعد ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کا کسی کے آپ کی قبر مبارک پر درود وسلام کو سننے میں اشکال ہوسکتا ہے۔

تیسرا باب

ڈاکٹر عثمانی اور دعا میں وسیلہ کا مسئلہ

دعا میں وسیلہ کی مندرجہ ذیل چند صورتیں ہیں۔

1- زندہ بزرگ سے دعا کرانا۔

2- میت سے دعا کی درخواست کرنا۔

3- اللہ تعالیٰ سے دعا میں غیر اللہ کا واسطہ دینا خواہ وہ واسطہ عمل کا ہو یا کسی صاحب عمل کا ہو یا کسی کے حق کا ہو۔

دعا میں وسیلے کی پہلی صورت

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ ''وسیلے کا شرک'' میں پہلی صورت یعنی زندہ بزرگ سے دعا کرانے کو جائز کہا ہے اور یہ بات صحیح ہے جس کی دلیل میں وہ حدیثیں ہیں جو خود ڈاکٹر عثمانی صاحب نے ذکر کی ہیں۔

دعا میں وسیلے کی دوسری صورت یعنی میت سے دعا کی درخواست کرنا

سوائے اس صورت کے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر کوئی شخص آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرے کہ یہ جائز ہے باقی وہ تمام صورتیں جن میں کسی میت یا غائب سے دعا کی درخواست کی جائے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان سے پرہیز کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کرنا البتہ سلف صالحین سے ثابت ہے اس کی بنیاد حیات النبی کا عقیدہ ہے جس کی تفصیل اور دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

دعا میں وسیلے کی تیسری صورت

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اس تیسری صورت کی مکمل نفی کی ہے اس کی بعض شقوں کو انہوں نے ذکر بھی نہیں کیا اور بعض کو ذکر کر کے ان کو شرک قرار دیا ہے لکھتے ہیں۔

''غرض اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے صدقے اور وسیلے کے علاوہ ہر دوسری ذات اور اس کی صفات کے صدقے اور وسیلے کو ناجائز اور شرک قرار دیتا ہے''۔

''اب اگر کوئی اسماء حسنیٰ کے بجائے اس کے کسی نبی یا ولی کا نام لے کر کہتا ہے کہ اپنے اس پیارے نبی یا ولی کے صدقہ میں میری دعا قبول فرما کر میری حاجت پوری کر دے تو گویا وہ اللہ کی ذات وصفات کے اسماء حسنیٰ سے زیادہ اس نبی یا ولی کی ذات اور اس کے نام کو موثر مانتا ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندہ کو شریک ٹھہرانا ہی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شدید توہین بھی ہے''۔
(ص 8 وسیلے کا شرک)

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اس صورت کی نفی کر کے اور اس کو شرک قرار دے کر بڑی ناانصافی کی ہے کیونکہ یہ صورت اور اس کی شقیں خود صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

دعا میں عمل کا واسطہ

(ابن عمر) رفعه: وانطلق ثلاثه نفرممن كان قبلكم حتى اواهم المبيت الى غار فدخلوه، فانحدرت صخرة من الجبل فسدت عليهم الغار، فقال انه لا ينجيكم من هذه الصخرة الا ان تدعوا اللّه بصالح اعمالكم، فقال رجل منهم اللهم كان لى ابو ان شيخان كبيران، و كنت لا اغبق قبلهما اهلا و لا مالا فناى

بی طلب شجر یوما فلم ارح علیهما حتی ناما، فحلبت لهما غبوقهما فوجدتهما نائمین، فکرهت ان اغبق قبلهما اهلا او مالا، فلبثت و القدح علی یدی انتظر استیقاظهما حتی برق الفجر زاد بعض الرواة والصبیة یتضاغون عند قدمی، فاستیقظا فشر با غبو قهما اللهم ان کنت فعلت ذلك ابتغاء و جهك ففرج عنا مانحن فیه من هذه الصخرة الضحره فانفرجت شیئاً لا یستطیعون الخروج قال النبی ﷺ قال الاخر: اللهم کانت لی ابنة عم کانت احب الناس الی فاردتها علی نفسها و امتنعت منی حتی المت بهاسنة من السنین، فجاء تنی فاعطیتها عشرین و مائة دینار علی ان تخلی بینی و بین نفسها ففعلت، حتی اذا قدرت علیها قالت لا یحل لك ان تفض الخاتم الا بحقه فتحرجت عن الوقع علیها فانصرفت عنها، وهی احب الناس الی، و ترکت الذهب الذی اعطیتها، اللهم ان کنت فعلت ذلك ابتغاء و جهك فافرج عنا ما نحن فیه، فانفرجت الصخرة غیر انهم لا یستطیعون الخروج منها قال النبیﷺ وقال الثالث: اللهم استاجرت اجراء واعطیتهم اجرهم غیر رجل واحد ترك الذی له و ذهب فثمرت اجره حتی کثرت منه الاموال، فجاء نی بعد حین، فقال یا عبداللّٰه ادالی اجری، فقلته کل ماتری من اجرك من الابل والبقر و الغنم والرقیق، فقال یا عبداللّٰه: لا تستهزئ بی فقلت انی لااستهزئ بك، فاخذه کله فاستاقه فلم یترك منه شیئا اللهم ان کنت فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنها مانحن فیه، فانفرجت الصخرة فخرجوایمشون، بخاری، و مسلم و ابی دائود۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا تین آدمی جوتم سے پہلی امت میں تھے سفر میں چلے۔ یہاں تک کہ وہ رات کے وقت آرام کیلیے ایک غار میں داخل ہوئے اتنے میں پہاڑ پر سے ایک چٹان نیچےلڑھک کر آئی اوراس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس چٹان سے تمھیں کوئی چیزنہیں بچائے گی مگر یہ کہ تم اللہ سے اپنی نیک

اعمال کے ذریعے سے دعا کرو ان میں سے ایک نے یوں دعا کی اے اللہ میرے دوبوڑھے والدین تھے میں ان سے پہلے کسی کو دودھ نہیں پلاتا تھا نہ بیوی بچوں کو نہ غلاموں کوایک دن درخت کی تلاش میں میں دورنکل گیا اور جب میں رات کو واپس آیا تو وہ سو چکے تھے مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ والدین سے پہلے میں اپنے بیوی بچوں اور غلاموں کو پلاؤں تو میں اپنے ہاتھوں میں پیالہ پکڑے ٹھہرارہا اور ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی (بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے) اور بچے میرے پاؤں پر بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ اے اللہ اگر میں نے یہ عمل آپ کی رضا کے لیے کیا ہے تو ہم جس مشکل میں ہیں آپ اس سے ہمیں کشادگی عطا فرمادیں چٹان کچھ سرکی لیکن ابھی نکل نہ سکتے تھے نبی ﷺ نے ارشادفرمایا...... دوسرے نے دعا کی اے اللہ میری ایک چچا زاد بہن تھی جو لوگوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی میں نے اس سے اپنی مرادا چاہی لیکن وہ نہ مانی یہاں تک کہ ایک مرتبہ قحط پڑا تو وہ میرے پاس آئی تو میں نے اس کوایک سوبیس دیناراس شرط پر دیئے کہ وہ میری مراد کے حصول میں حائل نہ ہوگی حتی کہ جب میں نے اس پر قدرت پالی تو وہ بولی کہ تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم جائز طریقے کے بغیر مہر کوتوڑو۔ اس پر میں اس سے جماع کرنے سے باز رہا اور اس سے پرے ہٹ گیا حالانکہ وہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور میں نے جو اس کو سونا دیا تھا وہ اس کے پاس چھوڑ دیا اے اللہ اگر میں نے یہ عمل آپ کی رضامندی کیلیے کیا تھا تو ہم جس مشکل میں ہیں اس سے ہم کو رہائی عطا فرما وہ چٹان اپنی جگہ سے کچھ اور ہلی لیکن اب بھی وہ اس سے نکل نہ سکتے تھے نبی ﷺ نے ارشادفرمایا تیسرے نے یوں دعا کی۔ اے اللہ میں نے چند مزدور اجرت پر رکھے اوران کی اجرت بھی دیدی البتہ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ چھوڑا اور چلا گیا اس کی اجرت بارآور ہوئی یہاں تک کہ اس سے بہت سے اموال بن گئے پھر ایک عرصے کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے بندے مجھے میری اجرت دیدے میں نے کہا یہ اونٹ گائے بکریاں اور غلام جوتم دیکھ

رہے ہو یہ سب تمہاری اجرت ہے اس نے کہا اے اللہ کے بندے میرے ساتھ مذاق نہ کر میں نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ اس نے وہ سارا مال لیا اور ہنکا کر لے گیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا اے اللہ اگر میں نے یہ آپ کی رضا مندی کیلیے کیا تھا تو جس مشکل میں ہم ہیں اس سے کشادگی عطا فرما اس پر چٹان ہٹ گئی اور وہ اس غار میں سے نکل کر چلے گیے۔

اس حدیث میں کتنے واضح الفاظ ہیں کہ انه لاینجیکم من الصخرة الاان تدعواالله بصالح اعمالکم (تم اس چٹان سے نجات حاصل نہیں کر سکو گے مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے نیک اعمال کے واسطے سے دعا کرو)۔

دعا میں رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دینا

1۔ عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصراتی النبیﷺ فقال ادع الله ان یعافینی فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیر لك قال فادعه فامره ان یتوضاء فیحسن الوضوء ویدعو بهذاالدعاء اللهم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمه یا نبی الله انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه فی۔ (ابن ماجه)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور اگر تم چاہو صبر کر لو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد نبی رحمت کے اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنی رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ وہ پوری کی جائے اے اللہ آپ ان کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

اس حدیث میں اول تو یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی علیحدہ سے کوئی دعا کی ہو اس لیے دعا کے الفاظ اللهم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك کا ترجمہ یہی بنتا ہے کہ اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد ﷺ نبی رحمت کے۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ ﷺ نے بھی دعا فرمائی تھی اور اس شخص نے اپنی دعا میں نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ آپ کی دعا کو وسیلہ بنایا تھا تب بھی دعا میں غیر اللہ یعنی عمل کو وسیلہ بنانا تو ثابت ہوا۔

2 ۔ حدثنا ابوالجوزاء اوس بن عبدالله قال قحط اهل المدینة قحطا شدیدا فشکوا الی عائشة فقالت انظرواقبر النبیﷺ فاجعلوامنه کواالی السماء حتی لایکون بینه وبین السماء سقف قال ففعلوافمطروامطرا حتی نبت العشب و سمنت الابل حتی تفتقت الشحم فسمی عام الفتق (سنن دارمی ص 43 ج1)

ابوالجوازء سے روایت ہے کہ مدینہ میں سخت قحط ہوا لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف اس میں ایک سوراخ کر دو یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب اور چھت نہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا تو بہت زور کی بارش ہوئی حتی کہ خوب گھاس آ گئی اور اونٹ خوب فربہ ہو گیے اور فربہی کی وجہ سے پھٹے پڑتے تھے اسی وجہ سے اس سال کو عام الفتق یعنی پھٹنے کا سال کہا جاتا ہے۔

اس واقعہ میں آسمان کی طرف حجرہ مبارک کا روشندان کھولنے کا آخر مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ بارش تو اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے اور لوگ مانگ بھی رہے ہوں گے پھر یہ عمل کیسا؟ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔

3- ابو بکر علمنی النبی ﷺ هذا الدعاء فقال قل اللهم انی اسئلك بمحمد نبیك و بابراهیم خلیلك و بموسی نجیك و عیسیٰ روحك و کلمتك و توراة موسیٰ و انجیل عیسیٰ و زبور داؤد و فرقان محمد و کل وحی او

حيته او قضاء قضيته و اسئلك بكل اسم هولك انزلته فى كتابك او استاثرت به فى غيبك و اسئلك باسمك المطهر الطاهر بالا حد الصمد الوتر و بعظمتك و كبريائك و بنور و جهك ان ترزقنى القرآن و العلم وان تخلط بلحمى و دمى و سمعى و بصرى و تستعمل به جسدى بحولك و قوتك فانه لاحول ولا قوة الابك (رزين) (ص 458 جمع الفوائد ج 1)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی! فرمایا کہو اے اللہ میں آپ کے نبی محمد اور آپ کے خلیل ابراہیم اور آپ کے نجی موسیٰ اور آپ کے روح اور کلمہ عیسیٰ علیہم السلام کے واسطے سے اور موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور عیسیٰ السلام کی انجیل اور داؤد علیہ اسلام کی زبور اور محمد ﷺ کے فرقان کے واسطے سے اور ہر وحی کے واسطے سے جو آپ نے کی ہو اور ہر فیصلے کے واسطے سے جو آپ نے کیا ہو آپ سے سوال کرتا ہوں۔......الخ

دعا میں کسی بندے کے حق کا واسطہ دینا

ڈاکٹر عثمانی صاحب اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔

''ابو الحسین قدوری اپنی فقہ کی کتاب المسمی بشرح الکرخی کے باب الکراہتہ میں لکھتے ہیں: بشر بن ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو یوسفؒ نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کسی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی ذات وصفات کے حوالہ دے کر دعا کرنا جائز نہیں ہے اور میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیری مخلوق کے اور یہی قول ابو یوسفؒ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بھی ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیرے نبیوں کے یا بحق تیرے رسولوں کے یا بحق بیت الحرام کے یا بحق مشعر الحرام کے اس کے بعد امام قدوری کہتے ہیں کہ خدا سے اس کی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں ہے''۔ (وسیلے کا شرک ص 6)

اس حوالہ اور چند دیگر حوالوں سے ڈاکٹر عثمانی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ بحق فلاں یا بحرمت فلاں کہہ کر دعا مانگنا جائز نہیں ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں بھی ڈاکٹر عثمانی صاحب نے نہ تو صحیح حدیثوں کو پیش نظر رکھا اور نہ ہی مذکورہ بالا حوالہ کی حقیقت کو سمجھا اور بلاوجہ یہ الزام لگا دیا کہ ''اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی دھونس کا یہ انداز بھی خوب ہے''۔ (ص 6)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں یہ حدیث ہے۔

عن معاذ بن جبل قال كنت ردف النبى ﷺ على حمار ليس بينى و بينه الامؤخرة الرحل فقال يا معاذا تدرى ماحق الله على عباده و ماحق العباد على الله قلت الله و رسوله اعلم قال فان حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوابه شيئا و حق العباد على الله ان لا يعذب من لا يشرك به شيئا قلت يا رسول الله افلا ابشر الناس قال تبشر هم فيتكلوا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ایک گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان صرف کاٹھی کے پچھلی لکڑی تھی آپ ﷺ نے پوچھا اے معاذ کیا تم جانتے ہو اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ کہتے ہیں میں نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ہی خوب باخبر ہیں آپ نے ارشاد فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کو عذاب نہ دے......الی آخر الحدیث)

اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں کہ وہ شرک سے بچنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دے گا۔ جب کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب بندوں کے حق کا انکار کرتے ہیں اور اس کو دھونس بتاتے ہیں اور قدوری اور ہدایہ کے حوالوں سے بحق فلاں کے ساتھ دعا کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ صحیح حدیث کے خلاف یہ بات کیونکر قابل

اعتبار ہو سکتی ہے۔اصل بات یہ ہے کہ حق کا لفظ متعدد معنوں میں آتا ہے۔

1- واجب عقلی۔جو قطعی عقلی دلائل سے ثابت ہو اور اس کا خلاف عقلاً محال ہو۔

2- واجب شرعی۔جو نص شرعی اور وعدہ خداوندی کی بنا پر ثابت ہو اگرچہ عقلاً اس کا وجود ضروری نہ ہو۔

3- لائق اور مناسب

4- ثابت شدہ۔یعنی وہ چیز جو وجود رکھتی ہو اگرچہ ضروری نہ ہو۔

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں معتزلہ نام کے ایک فرقہ کا بہت زور شور ہوا یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ پر عدل اور اصلح عقلاً واجب ہے اس لیے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے کہ وہ اہل توحید کی بخشش کرے اور بندوں کا یہ حق اس پر لازم قرار دیتے تھے ان کے بالمقابل اہلسنت والجماعت اللہ تعالیٰ پر کسی فعل کو عقلاً واجب نہیں مانتے، اور جو حق اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے ذکر کیا وہ بھی محض اس کا فضل ہے اس پر واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ تبع تابعین میں سے ہیں انہوں نے اپنے زمانے میں معتزلہ کے عقائد کو دیکھ کر سد باب کے طور پر بحق فلاں وغیرہ الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کو منع فرمایا تا کہ لوگ حق کے واجب عقلی ہونے کا عقیدہ نہ باندھ لیں اب جب کہ معتزلہ اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو وہ اشتباہ اور اندیشہ بھی ختم ہو گیا اور دوسرے جائز معنی میں بحق فلاں وغیرہ کلمات کا استعمال درست ہوا۔

ردالمحتار شرح درمختار میں ہے۔

(قوله لا نه لا حق للخلق على الخالق) قد يقال انه لا حق لهم وجوبا على الله تعالىٰ لكن الله سبحانه و تعالىٰ جعل لهم حقامن فضله۔

(قولہ کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے) کہا جاتا ہے کہ مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق وجوباً نہیں ہے...... بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ اس کے عقلاً پابند ہوں...... البتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی فضل سے مخلوق کے لیے حق بنایا ہے۔

چوتھا باب

ڈاکٹر عثمانی اور تعویذ کا مسئلہ

ڈاکٹر عثمانی صاحب ''تعویذ لٹکانا شرک ہے'' کے عنوان کے تحت یہ دلائل لائے ہیں۔

پہلی دلیل

عن عبدالله بن مسعودؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الرقى و التمائم و التولة شرك۔

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ دم تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔

دلیل کا جواب

تمائم کا ترجمہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے تعویذ کیا ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی وجہ

تمائم جس کا واحد تمیمہ ہے اس کا اصل معنی منکے کا ہے۔لسان العرب جو کہ عربی لغت کی سب سے مستند کتابوں میں سے ہے نے تمیمہ کا مطلب یہ بتایا ہے۔

خرزة رقطاء تنظم فى السير ثم يعقد فى العنق۔

سیاہ یا سفید منکا جس کو دھاگے میں پرو کر گردن میں لٹکایا جاتا ہے۔

اور عرب یہ بچوں کی گردنوں میں کیوں لٹکاتے تھے؟

لسان العرب میں ہے کانوا یعتقدون انها تمام الدواء والشفاء(ان کا اعتقاد تھا کہ منکے ہی پوری دوا اور شفا ہیں)۔

مرقات میں ہے: کانت العرب تعلق علی الصبی لدفع العین بزعمهم (عربوں کا عقیدہ تھا کہ یہ نظر کو دور کرتے ہیں)۔

لسان العرب میں ہے: لانهم جعلوها واقية من المقاد يرو الموت وارادوا دفع ذلك بها (عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ منکے ان کو تقدیر الٰہی اور موت سے بچا سکتے ہیں اور وہ اس غرض سے ان کا استعمال کرتے تھے۔)

غرض تمائم سے مراد وہ منکے ہیں جن کو عرب ایام جاہلیت میں اس عقیدے کے ساتھ استعمال کرتے تھے کہ یہ تقدیر الٰہی اور موت کو ٹال سکتے ہیں اور یہ کہ ان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ از خود نظر سے بچا سکتے ہیں اور از خود دواء اور شفا کا کام کر سکتے ہیں حالانکہ یہ خدائی کام ہیں۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ جاہلیت اور شرک کی رسوم مٹانے آئے تھے لہٰذا آپ ﷺ نے جب تمائم سے منع کیا تو ان منکوں سے منع کیا جن کو ایام جاہلیت میں عرب خدائی کاموں میں دخیل سمجھتے تھے۔

دوسری وجہ

جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ تمائم کا اصل ترجمہ تو منکے ہیں بعض حضرات نے تعویذ کا معنی بھی کیا ہے مثلاً لسان العرب میں ثعلب سے روایت ہے عوذة تعلق على الانسان (تمیمہ وہ تعویذ ہوتا ہے جو انسان کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے)۔

مرقات میں ہے التعويذة التي تعلق على الصبى (یہ وہ تعویذ ہے جو بچے کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے) پھر تعویذ کا معنی لینے کی صورت میں عام طور سے وہ تعویذ مراد لیے گیے ہیں جن میں شرکیہ کلمات ہوں اور اگر قرآن پاک کی آیت یا اسمائے الٰہی لکھے ہوں تو ان کو تمائم میں شمار نہیں کیا گیا۔ صرف چند ایک حضرات نے تمائم میں ان

تعویذات کو بھی شمار کیا ہے جن پر قرآن پاک کی کوئی آیت لکھی ہو جیسا کہ مرقات میں مذکور ہے کہ اطلق الطيبى (طیبی نے تعویذ کو مطلق رکھا ہے مقید نہیں کیا) لیکن یہ حضرات بھی قرآنی تعویذات کا حکم شرکیہ تعویذات سے مختلف سمجھتے ہیں قرآنی تعویذات کو جائز سمجھتے ہیں اور شرکیہ کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل لغت اور شارحین حدیث کے نزدیک تمائم کے معنی میں اختلاف ہے عام طور سے اس سے مراد منکے ہیں جب کہ بعض لوگ تعویذات کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں اختلاف کی صورت میں تعویذات خصوصًا وہ تعویذات جن پر اسماء الٰہی لکھے ہوں یا آیات قرآنی لکھی ہوں ان کو قطعی طور سے شرک کہنا بڑی نا انصافی کی بات ہے اور خلاف قاعدہ ہے شاید جوش اصلاح میں ڈاکٹر عثمانی صاحب مسلمہ قواعد کو پیش نظر نہ رکھ سکے۔

تیسری وجہ

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''قرآنی تعویذات بھی جائز نہیں ہیں''۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے تعویذ تو بالکل نہ ہوں گے جو آیات قرآنی یا اسمائے الٰہی پر مشتمل ہوں کیونکہ جب تک صحابہ ؓ کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی لکھے تعویذات مفید ہوتے ہیں وہ ان کو استعمال نہ کرتے کیونکہ وہ اپنی طرف سے اختراع کرنے والے نہیں تھے لہٰذا تمائم کے نام سے جو کچھ اس وقت معروف ومروج ہوگا وہ منکے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب تمائم سے منع کیا تو اس سے وہی منکے مراد ہوں گے جو اس وقت رائج تھے کیونکہ التمائم پر جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے جس سے معروف ومروج مراد ہوتا ہے اسی طرح اگر تعویذ بھی مراد ہوں گے تو صرف وہ تعویذ جو ایام جاہلیت میں شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوتے تھے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ تم نے الف لام کو عہد کے لیے کیوں مانا ہے استغراق یعنی تمام

تعویذات کے معنی میں کیوں نہیں لیا تو ہمارا جواب یہ ہے کہ رقی اور تمائم ان دونوں میں یہ احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ شرکیہ ہوں اور کچھ شرکیہ نہ ہوں رقی (جمع رقیہ یعنی دم) کے بارے میں خود ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ''بعض قسم کے دم جن میں شرکیہ الفاظ نہیں تھے نبی ﷺ نے ان کی رخصت دے دی''۔ لہٰذا حدیث: ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک میں رقی سے بھی کل رقی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف وہ دم مراد ہیں جن میں شرکیہ الفاظ تھے اس طرح تمائم سے بھی سب تمائم مراد نہیں ہیں بلکہ منکے اور شرکیہ تعویذ مراد ہیں رہے وہ تعویذ جو قرآنی آیات یا اسمائے الٰہی پر مشتمل ہوں ان کے بارے میں یہ حدیث ساکت ہے۔

دوسری دلیل

قال رسول اللہ ﷺ من تعلق شیا وکل الیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی تو وہ اسی چیز کے سپرد کر دیا جائے گا۔

دلیل کا جواب

ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث تو خود بتا رہی ہے کہ کس قسم کی چیز کو لٹکانے پر یہ وعید ہے یہ وعید ایسی چیز کو لٹکانے پر ہے جس کو بالذات موثر اور شافی مانا جاتا ہو اور تقدیر کو از خود ٹلا سکتی ہو تو کہا گیا کہ اس شخص کو اسی چیز کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اچھا جب تم اس کو خدائی کام میں دخیل سمجھتے ہو تو اب تم کو اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی رحمت ہٹا لیتا ہے اور اگر گلے میں لٹکایا ہوا تعویذ قرآنی آیت اور اسمائے الٰہی پر مشتمل ہو تو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف سپرد کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا ہے۔

لہٰذا اس حدیث سے قرآنی اور غیر قرآنی (شرکیہ) تعویذوں کا فرق معلوم ہوا غرض یہ حدیث بھی ڈاکٹر عثمانی صاحب کے دعویٰ کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک جماعت آئی نبی ﷺ نے ان میں سے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا ارشاد فرمایا ان علیہ تمیمۃ (کیونکہ وہ تمیمہ لٹکائے ہوئے ہے) یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ اندر ڈال کر وہ تمیمہ توڑ ڈالا اب نبی ﷺ نے ان سے بھی بیعت لے لی اور فرمایا من تعلق تمیمۃ فقد اشرک (جس شخص نے تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا)۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اس حدیث میں ہر جگہ تمیمہ کا ترجمہ تعویذ کیا ہے۔

یہ حدیث ذکر کر کے ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''کیا یہ حدیث یہ نہیں بتاتی کہ ہر قسم کا تعویذ ناجائز ہے ورنہ نبی ﷺ کم سے کم یہ تو ضرور دریافت فرما لیتے کہ یہ تعویذ جو تم نے لٹکایا ہے اس میں قرآن تو نہیں لکھا ہوا ہے اسماء الٰہی تو نہیں......'' (ص 4 تعویذ گنڈا شرک ہے)

دلیل کا جواب

نبی ﷺ کے پاس آ کر جو جماعتیں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھیں وہ بیعت اسلام کرتی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں یا مسلمان ہونے آئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ابھی تک جاہلیت کے رسوم سے پورے طور سے آزاد نہیں ہوئے تھے ان کو تعلیم کی ضرورت تھی لہٰذا یہ قطعی بات ہے کہ وہ صاحب جاہلیت کے دور کا کوئی منکا لٹکائے ہوئے ہوں گے اور ان سے نبی ﷺ کا دریافت نہ فرمانا اسی بناء پر تھا کہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ یہ جاہلیت کا منکا لٹکائے ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر عثمانی صاحب کا تمیمہ کا ترجمہ تعویذ سے کرنا بھی بلا دلیل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب کے ذکر کردہ دلائل سے قرآنی تعویذات کی حرمت اور ان کا شرک ہونا ثابت نہیں ہوتا ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ قرآنی آیت یا اسم الٰہی لکھنا شرک نہیں ہے قرآنی آیات کے کتبے لکھ کر دیوار پر لگانا شرک نہیں ہے تو محض کسی شخص یا بچے کے گلے میں قرآنی آیات یا اسم الٰہی لکھ کر لٹکانا شرک بن جائے گا؟ یہ بات ناقابل فہم ہے یہ کیسے شرک بن سکتا ہے جب کہ شرک کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ماننا اور قرآنی آیت یا اسم الٰہی میں تو اللہ تعالیٰ ہی کو شافی اور متصرف سمجھ کر اسی کا نام لکھ کر اور گلے میں لٹکا کر اسی سے شفا اور دفع تکلیف مطلوب ہے آخر کوئی سمجھائے تو سہی کہ اس پر شرک کی تعریف کیسے صادق آتی ہے؟ فیاللعجب

قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی پر مشتمل تعویذات کی اجازت کے دلائل

عن محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ كان يعلمهم من الفزع كلمات اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه و شر عباده و من همزات الشياطين و ان يحضرون و كان عبدالله بن عمر و يعلمهن من عقل من بنيه و من لم يعقل كتبه فاعلقه عليه رواه ابو داؤد و فى رواية الترمذى و من لم يبلغ منهم كتبها فى صك ثم علقها فى عنقه (رواه ابوداؤد و الترمذى مشكوة)

محمد بن اسحٰق عمرو بن شعیب سے اور وہ اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خوف کے لیے یہ دعا سکھاتے تھے۔ اعوذبکلمات الله التامه من غضبه و شر عباده و من همزات الشياطين و ان يحضرون اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے سمجھدار بچوں کو یہ دعا یاد کرواتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب کے اعتراضات اور ان کے جواب

پہلا اعتراض

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ پورے سرمایہ روایت میں اپنے طرز کی ایک منفرد روایت ہے اور صحیح ہونا تو دور رہا یہ حسن روایت بھی نہیں ہے امام ترمذیؒ جو تصحیح روایت کے بارے میں بہت ہی فراخ دل واقع ہوئے ہیں اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بلکہ حسن غریب کہتے ہیں'' (ص 5 تعویذ گنڈا شرک ہے)

جواب

وہ حدیث وروایت جو حسن ہو وہ سب محدثین اور فقہاء کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور اس سے احکام ثابت ہوتے ہیں امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کے ساتھ ساتھ جو غریب کہا ہے تو اس وجہ سے کہ یہ روایت صرف اسی ایک طریقے سے وارد ہوئی ہے اور صرف ایک طریقے سے وارد ہونا اس میں ضعف کی تو کوئی بھی وجہ نہیں ہے اس لیے صحیح حدیث بھی غریب ہو سکتی ہے۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل میں حسن کی تعریف میں اس شرط کو شامل کیا ہے کہ وہ متعدد طریق سے وارد ہو جب کہ غریب کی تم یہ تعریف کرتے ہو کہ وہ صرف ایک طریق سے وارد ہوتی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وما ذكر نا فى هذا الكتاب حديث حسن فانما اردنا حسن اسناده عندنا كل حديث يروى لايكون فى اسناده من يتهم بالكذب ولا يكون الحديث شاذا ويروى من غير وجه نحو ذلك فهو عندنا حديث حسن۔

ہم نے اس کتاب میں جو لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن ہے ہمارے نزدیک جو حدیث بھی ایسی روایت کی گئی ہو جس کی اسناد میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو جھوٹ کے ساتھ متہم ہو اور وہ حدیث شاذ

بھی نہ ہو اور کئی طرق سے روایت کی گئی ہو تو اس قسم کی حدیث ہمارے نزدیک حسن ہے۔

اس اعتراض کا جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ دیا ہے۔

ان الترمذی لم یعرف الحسن مطلقا و انما عرف بنوع خاص منه وقع فی کتابه و هو ما یقول فیه حسن من غیر صفة

امام ترمذی نے مطلق حسن کی تعریف نہیں کی بلکہ حسن کی ایک خاص قسم کی تعریف کی ہے اور یہ وہ قسم ہے جس کے ساتھ انہوں نے کوئی اور صفت ذکر نہیں کی۔

غرض یہ تعریف امام ترمذی نے اپنی اصطلاح کے مطابق اس روایت کی کی ہے جس کو وہ ’’حدیث حسن‘‘ کہتے ہیں اور جس کو وہ حسن صحیح یا حسن غریب کہتے ہیں تو اس کی تعریف انہوں نے نہیں کی بلکہ اس میں انہوں نے حسن کی مشہور تعریف ہی پر اکتفا کیا ہے اور حسن کی مشہور تعریف میں روایت کا متعدد طریقوں سے وارد ہونا شرط نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں ’’دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے متعلق یہ جملہ کہ وہ اس دعا کو نابالغ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے یہ ایک مدرج جملہ ہے‘‘۔

جواب

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا اس کو علت اور مدرج کہنا بہت ہی تعجب کی بات ہے کیونکہ یہ کسی اعتبار سے بھی مدرج نہیں ہے۔

تقریب میں مدرج کی یوں تعریف کی ہے۔

المدرج هو اقسام

احدها مدرج فی حدیث النبی ﷺ بان یذکر الراوی عقیبه کلاماالنفسه او لغیره فیرویه من بعده متصلا فیوهم انه من الحدیث۔

مدرج کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ حدیث نبوی میں مدرج: اس کی صورت یہ ہے کہ راوی حدیث نبوی کے متصلا بعد اپنا یا کسی دوسرے کا کلام ذکر کرے کہ جس سے یہ خیال ہو کہ وہ بھی حدیث نبوی کا حصہ ہے۔

الثانی ان یکون عنده متنان با سنادین فیرویهما با حدهما۔

دوسری قسم...... یہ ہے کہ ایک راوی کے پاس دو مختلف سندوں سے دو مختلف حدیثیں ہوں اور وہ راوی ان دونوں حدیثوں کو صرف ایک سند سے ذکر کرے۔

آپ یہ پوری حدیث پڑھ جائیے یہ خیال اور وہم بالکل پیدا نہ ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے عمل کا بیان بھی نبی ﷺ کے فرمان و ارشاد کا حصہ ہے بلکہ نبی ﷺ کا ارشاد اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے عمل کا بیان یہ دو جدا جدا باتیں ہیں لہٰذا یہ مدرج کی پہلی قسم نہیں بنتی۔

اور اگرچہ یہ دو حدیثیں بنتی ہیں لیکن ان کی سندیں مختلف نہیں ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے عمل کو ذکر کرنے والے یا تو شعیب ہیں یا عمرو بن شعیب ہیں اور ان میں سے جو بھی بیان کرنے والا ہو وہ بہرحال ثقہ ہے جھوٹا نہیں ہے لہٰذا نہ تو یہ مدرج ہے اور نہ ہی کسی طرح سے یہ علت بنتی ہے کہ جو ضعف کا سبب ہو۔

تیسرا اعتراض

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صحابی ؓ کسی چیز کی برائی کی حدیث بھی روایت کرے اور دوسری طرف اس چیز میں مبتلا بھی ہو روایت یوں ہے عن عبدالله بن عمرو بن العاص ؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ما ابالی ما اتیت ان انا شربت تر یاقا او تعلقت تمیمة اوقلت الشعر من قبل نفسی (رواه ابوداؤد ص 540 مشکوة ص 389)

عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں یہ تین باتیں کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ تین باتیں یہ ہیں (1) تریاق استعمال کروں (اس میں شراب اور سانپوں کا گوشت ہوتا ہے) (2) تعویذ لٹکاؤں (3) شاعری کروں (تعویذ گنڈا شرک ہے ص6)

جواب

اس بارے میں ہم تفصیل سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمیمہ کا اصل معنی منکے کا ہے اور تعویذ بھی اس میں شامل ہیں تو صرف شرکیہ تعویذ ہیں یہ تو ثابت نہیں ہے کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی پر مشتمل تعویذ بھی تمیمہ میں شامل ہیں بلکہ دلائل اس کے خلاف ہیں جیسا کہ پیچھے مدلل بیان ہو چکا۔

چوتھا اعتراض

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں ''چوتھی علت اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے دو راوی محمد بن اسحاق بن یسار اور عمرو بن شعیب ایسے راوی ہیں جن پر ائمہ حدیث نے شدید جرح کی ہے''۔

محمد بن اسحاق بن یسار

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے ان کے بارے میں جو تحقیق و تفتیش ذکر کی ہے وہ اس اعتبار سے بہت ہی ناانصافی اور ظلم پر مشتمل ہے کہ اول تو وہ یکطرفہ ہے دوسرے الزامات کی حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ ان ہی دونوں باتوں پر کسی راوی کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس کی حدیث لی جائے گی یا نہیں۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نقل کیا ہے کہ:

امام مالک فرماتے ہیں دجال من الدجاجلہ دجالوں میں سے ایک دجال

ہے۔ سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ یحیی قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔ وہیب بن خالد اس کو کاذب کہتے ہیں۔ جریر بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جب لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث کی سماعت کریں گے''۔ (ص6 تعویذ گنڈا شرک ہے)۔

ہم پہلے ان الزامات کی حقیقت نقل کرتے ہیں پھر محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے کو ذکر کریں گے۔

امام مالک کا محمد بن اسحاق کو دجال کہنے کی حقیقت

ابن حبان اپنی کتاب الثقات میں ذکر کرتے ہیں۔

اما مالك فانه كان ذلك منه مرة واحدة ثم عادله الى ما يحب و ذلك بانه لم يكن فى الحجاز احد اعلم بانساب الناس و ايامهم من ابن اسحاق و كان يزعم ان مالكامن موالى ذى اصبح و كان مالك يزعم انه من انفسها فوقع بينهما لذلك منافرة فلما صنف مالك الموطا قال ابن اسحٰق ائتونى فانا بيطاره فنقل ذلك الى مالك فقال هذا دجال من الدجاجله يروى عن اليهود وكان بينهما مايكون بين الناس حتى عزم ابن اسحاق الخروج الى العراق فتصالحا حينئذ و اعطاه مالك عند الوداع خمسين ديناراو نصف ثمرته لتلك السنة و لم يقدح فيه مالك لاجل الحديث انماكان ينكرعليه لتتبعه غزوات النبى ﷺ من اولاد اليهود الذين اسلموا وحفظوا قصة خيبر و قريظة و النضير و ما اشبه ذلك من الغرائب عن اسلافهم و كان ابن اسحاق تتبع هذا عنهم ليعلم ذلك من غير ان يحتج بهم و كان مالك لا يرى الرواية الا من متقن صدوق (ص 189 حاشية الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل۔)

امام مالک نے محمد بن اسحاق کے بارے میں دجال کا قول صرف ایک مرتبہ کیا پھر دوبارہ پسندیدہ بات کی طرف لوٹ آئے بات یہ ہوئی تھی کہ حجاز میں لوگوں کے انساب اور واقعات کا محمد بن اسحاق سے زیادہ کوئی باخبر نہ تھا ابن اسحاق کا دعویٰ تھا کہ امام مالک قبیلہ ذواصبح کے موالی (یعنی ان کے ساتھ معاہدہ کرنے والوں) میں سے ہیں جب کہ امام مالک اپنے آپ کو قبیلہ کے اصل افراد میں شمار کرتے تھے اس وجہ سے ان کے درمیان کچھ منافرت پیدا ہوئی تو جب امام مالک نے اپنی موطا لکھی تو ابن اسحاق نے کہا کہ موطا میرے پاس لاؤ میں اس کا معالج ہوں امام مالک کو کسی نے یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا وہ تو دجالوں میں سے ایک دجال ہیں اور یہود سے روایت کرتے ہیں تو لوگوں کے درمیان جو رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اسی طرح کی رنجش ان کے درمیان تھی لیکن جب ابن اسحاق کا عراق جانے کا ارادہ ہوا تو دونوں کے درمیان صلح ہوگئی اور امام مالک نے پچاس دینار اور ایک سال کی نصف پیداوار ان کو ہدیہ میں دی غرض امام مالک نے حدیث کی وجہ سے محمد بن اسحاق پر کوئی طعن نہیں کیا تھا علاوہ ازیں محمد بن اسحاق مسلمان ہونے والے یہودیوں کی اولاد سے خیبر، قریظہ اور بنونضیر کے واقعات سن کر قلمبند کرتے ایسا وہ صرف معلومات کی خاطر کرتے تھے بطور حجت کے نہیں لیتے تھے امام مالک کو ان سے اس بارے میں اتفاق نہیں تھا اور ان کا کہنا تھا روایت صرف پختہ اور سچے شخص ہی سے کرنی چاہئے۔

دیکھیے امام مالک کا محمد بن اسحاق پر اعتراض حدیث کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ محض باہمی رنجش جو انسان ہونے کے ناطے ان کے درمیان پیدا ہوئی اس کی وجہ سے ایک بات کہی پھر بعد میں وہ رنجش ختم بھی ہوگئی ایسی بات کو اصول حدیث میں راوی پر طعن شمار نہیں کیا جاتا۔

ہشام بن عروہ اور دوسروں کا محمد بن اسحاق کو کذاب کہنے کی حقیقت

سليمان بن داؤد قال قال يحيىٰ القطان اشهدان محمد بن اسحاق كذاب قلت و ما يد ريك قال قال لى وهيب فقلت لوهيب و ما يدريك قال قال لى مالك بن انس فقلت لمالك و ما يدريك قال قال لى هشام بن عروة قال قلت لهشام بن عروة و ما بدريك قال حدث عن امراتى فاطمه بنت المنذر و ادخلت على وهى بنت تسع و مارآهار جل قط حتى لقيت الله تعالىٰ قلت قد اجبنا عن هذا والرجل فما قال انه ر آها افبمثل هذا يعتمد على تكذيب رجل من اهل العلم هذا مردود۔

ثم ماقيل من انها ادخلت عليه وهى بنت تسع غلط بين ما ادرى ممن وقع من رواة الحكايه فانها اكبر من هشام بثلات عشرة سنة ولعلها مازفت اليه الاوقد قاربت بضعاو عشرين سنة و اخذ عنها ابن اسحق وهى بنت بضع و خمسين سنة او اكثر۔ **(ميزان الاعتدال ص 471/3)**

قلت و ما يدرى هشام بن عروة فلعله سمع منها فى المسجد اوسمع منها وهو صبى او دخل عليها فحدثته من وراء حجاب فاى شئى فى هذا و قد كانت امراة قد كبرت و اسنت۔ **(ميزان الاعتدال ص 470/3)**

سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ قطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہیں میں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے مالک بن انس نے یہ کہا میں نے پھر مالک سے پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے وہیب نے یہ کہا میں نے پھر وہیب سے پوچھا آپ کو کیسے علم ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے ہشام بن عروہ نے کہا پھر جب میں ہشام بن عروہ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ محمد بن اسحاق نے میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے حدیث روایت کی حالانکہ میری طرف اس کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی اس وقت سے اس کی موت تک کسی مرد نے اس کو نہیں دیکھا۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کا جواب ہم دے چکے ہیں (جو آگے آ رہا ہے) کیا ایسی بات کو بنیاد بنا کر ایک اہل علم شخص کی تکذیب کی جاتی ہے یہ بات تو قابل رد ہے۔

اور یہ جو کہا گیا کہ فاطمہ بنت منذر کی نو سال کی عمر میں ہشام کی طرف رخصتی کی گئی تو یہ کھلی غلطی ہے میں نہیں جانتا کہ راویوں میں سے کس نے یہ بات کہی کیونکہ فاطمہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھیں اس لیے خیال تو یہ ہے کہ جب ان کی رخصتی ہوئی ہو گی تو وہ اٹھائیں انتیس سال کی ہوں گی اور ابن اسحاق نے ان سے اس وقت حدیث سنی ہو گی جب وہ پچاس سے اوپر کی ہوں گی۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں ہشام بن عروہ ان کو کذاب کیسے کہتے ہیں حالانکہ ہوسکتا ہے کہ محمد بن اسحاق نے فاطمہ سے مسجد میں حدیث سنی ہو یا اپنے بچپن میں ان سے حدیث سنی ہو یا ان کے پاس بھی کیے ہوں تو پردے کے پیچھے سے انہوں نے حدیث بیان کی ہو اور جب کہ عورت بوڑھی اور عمر رسیدہ ہو تو اس میں کون سے طعن کی بات ہے۔

دیکھئے محدثین نے جہاں کہے ہوئے اقوال نقل کئے وہیں انہوں نے تحقیق وجستجو کر کے ان کی حقیقت بھی واضح کر دی اور بتا دیا کہ یہ اقوال ایسے نہیں کہ ان کی بناء پر ایک اہل کو جھوٹا اور مطعون مان لیا جائے۔

اب آگے ہم محمد بن اسحاق کی توثیق نقل کرتے ہیں

عن علی بن المدینی عن ابن عیینه قال جالست ابن اسحاق منذ بضع و سبعین سنه و ما یتهمه احد من اهل المدینة ولا یقول فیه شیئا۔

علی بن مدینی روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ نے کہا کہ میں نے تہتر سالوں سے ابن اسحاق کے ساتھ ہم نشینی کی ہے اہل مدینہ میں سے کوئی نہیں ہے جو ان پر تہمت لگاتا ہو یا ان کے بارے میں کوئی طعن کرتا ہو۔

عن احمد هو حسن الحدیث

احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق حدیث میں اچھے ہیں۔

قال ابوزرعه الدمشقی و ابن اسحاق رجل قد اجمع الکبراء من اهل العلم علی الاخذ عنه و قد اختبره اهل الحدیث فرأو اصدقا و خبرا مع مدحه ابن شهاب له۔

ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ بڑے بڑے اہل علم کا محمد بن اسحاق سے حدیث لینے پر اتفاق ہے محدثین نے ان کو پرکھا ہے اور ان میں سچائی اور خیر کو پایا ابن شہاب زہری نے جو ان کی مدح کی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

قال یعقوب سالت ابن المدینی کیف حدیث ابن اسحاق عندك فقال صحیح۔

یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی سے پوچھا کہ محمد بن اسحاق کی حدیث کیسی ہے انہوں نے جواب دیا صحیح ہے۔

عن ابن معین محمد بن اسحاق ثقه و لیس بحجة قال العجلی مدنی ثقة۔

یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اگرچہ حجت نہیں ہے عجلی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔

قال ابن عینیه سمعت شعبة یقول محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث۔

سفیان بن عینہ کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔

اور اگر ہم محمد بن اسحاق پر کی گئی جرح کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی یہ بات سامنے آئی کہ ان کی جرح بھی کی گئی اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے اور ایسے کے بارے میں۔

قال المنذری فی مقدمة ترغیب فاقول اذا کان رواة اسناد الحدیث ثقات و فیهم من اختلف فیه اسناده حسن او مستقیم اولا باس به۔

علامہ منذری اپنی کتاب الترغیب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب حدیث کی سند

میں راوی ثقہ ہوں البتہ کچھ ایسے ہوں جن کے بارے میں اختلاف ہوا ہو تو اس حدیث کی سند حسن یا مستقیم ہوتی ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہوتا۔

اور پھر علامہ منذریؒ محمد بن اسحاق کے بارے میں فیصلہ دیتے ہیں۔

وبالجملة فهو من اختلف فيه و هو حسن الحديث۔ محمد بن اسحاق ان راویوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور ان کی حدیث حسن ہے۔

عمرو بن شعیب

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

"ان کا معاملہ بھی اپنے شاگرد سے مختلف نہیں ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ **عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ليس بحجة** (یعنی) عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور ان کی اپنے دادا سے حجت نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی حجت بھی نہیں ہے یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب ہمارے نزدیک واہی ہے امام احمد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت حجت نہیں ہے ابوزرعہ کہتے ہیں کہ عمرو نے اپنے باپ سے صرف چند روایتیں سنی ہیں لیکن وہ باپ اور دادا سے منسوب کر کے تمام غیر مسموع روایتیں بے تحاشا بیان کرتے ہیں ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے کچھ بھی نہیں سنا وہ کتاب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں"۔ (ص 6 تعویذ گنڈا شرک ہے)۔

اس بارے میں وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ارشادات سننے کے ساتھ لکھنے کا کام بھی کیا تھا جس سے ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوگئی تھی جس کا نام انہوں نے صادقہ رکھا تھا یہ کتاب انہیں اس قدر عزیز تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

ما یرغبنی فی الحیوة الا الصادقة و الوهط

مجھے زندگی کی یہی دو چیزیں خواہش دلاتی ہیں صادقہ اور وھط۔

اور خود ہی ان دو چیزوں کا تعارف یوں کرایا۔

فاما الصادقة فصحيفة كتبتها من رسول الله ﷺ و اما الوهط فارض تصدق بها عمرو بن العاص كان يقوم عليها۔

صادقہ تو وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے اور وہط وہ زمین ہے جس کو حضرت عمرو بن العاص نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

یہ کتاب اور صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا اور شعیب سے اس صحیفہ کو ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں چنانچہ حدیث کی کتابوں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے جتنی بھی روایتیں منقول ہیں وہ سب صحیفہ صادقہ ہی کی حدیثیں ہیں شعیب کے والد کا انتقال شروع ہی میں اپنے والد عبداللہ بن عمرو کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا اس لیے پوتے کی تمام تر تربیت دادا ہی نے کی البتہ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے صادقہ کا یہ نسخہ دادا سے پڑھا یا نہیں بعض سخت گیر محدثین نے اسی بناء پر ان روایات کے اتصال پر بھی کلام کیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں یحیٰی بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

هو ثقة فی نفسه و ماروی عن ابيه عن جده لا حجة فيه و ليس بمتصل و هو ضعيف من قبيل انه مرسل وجد شعيب كتب عبدالله بن عمرو فكان يرويها عن جده مرسلا و هی صحاح عن عبدالله بن عمرو غير انه لم يسمعها۔

یہ خود تو ثقہ ہیں اور جو روایت یہ اپنے باپ شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں وہ حجت نہیں غیر متصل ہے اور بسبب مرسل ہونے کے ضعیف ہے شعیب کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کتابیں ملی تھیں چنانچہ وہ ان کو اپنے دادا سے مرسلا روایت کرتے ہیں یہ روایتیں اگرچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے صحیح ہیں لیکن ان کو شعیب نے

سنا نہیں تھا۔

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے جواب میں فرماتے ہیں۔

قلت فاذا شهد له ابن معين ان احاديثه صحاح غير انه لم يسمعها وصح سماعه لبعضها فغاية الباقى ان يكون وجادة صحيحة و هو احد وجوه التحمل۔

میں کہتا ہوں جب کہ ابن معین اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کی حدیثیں تو صحیح ہیں مگر ان کو شعیب نے سنا نہیں ہے اور بعض حدیثوں کا سماع صحت کو پہنچ چکا ہے تو بقیہ احادیث کی روایت زیادہ سے زیادہ وجادہ صحیحہ سے ہوگی اور یہ بھی اخذ علم کا ایک طریقہ ہے۔اور امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں۔

ومن تكلم فى حديث عمرو بن شعيب انما ضعفه لانه يحدث عن صحيفة جده كانهم راو ا انه لم يسمع هذا الاحاديث من جده اور جس نے بھی عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے سو محض اس بنا پر اس کی تضعیف کی ہے کہ وہ اپنے دادا کے صحیفہ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے گویا ان لوگوں کی یہ رائے ہے کہ انہوں نے ان حدیثوں کو اپنے دادا سے نہیں سنا تھا۔

لیکن اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے اور صحیح سمجھتے ہیں چنانچہ امام ترمذی اسی عبارت سے ذرا پہلے امام بخاری سے ناقل ہیں کہ

رایت احمد و اسحاق و ذکر غير هما يحتجون بحديث عمرو بن شعیب میں نے احمد بن حنبل اسحاق بن راھویہ اور ان دونوں کے علاوہ اور محدثین کا بھی ذکر کیا کہ ان سب کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت مانتے تھے۔

اور باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم میں لکھتے ہیں۔

واما اكثر اهل الحديث فيحتبون بحديث عمرو بن شعيب و يثبتونه

اور اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت سمجھتے اور ثابت مانتے ہیں۔

امام بخاری اور امام ترمذی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ شعیب نے حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے حدیثیں سنی ہیں۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ جو لوگ عمرو بن شعیب کو ضعیف کہتے ہیں یہ انکا تشدد ہے اور کسی بھی طریقے سے ان کی روایت ضعیف نہیں ہے اسی وجہ سے امام حاکمؒ نے اپنی کتاب المدخل فی علوم الحدیث میں حدیث صحیح کی دس قسمیں کیں جن میں سے پانچ پر سب کا اتفاق ہے اور پانچ میں محدثین کا اختلاف ہے اور جن پانچ میں سب کا اتفاق ہے ان میں پانچویں قسم میں عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده کی روایت کو شمار کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث پر ڈاکٹر عثمانی کے کئے ہوئے تمام اعتراضات بے بنیاد اور ناانصافی پر مبنی ثابت ہوئے اور یہ حدیث بلاشبہ حسن ہے جو کہ مقبول اور قابل عمل ہوتی ہے۔

قرآنی آیات یا اسماء الٰہی پر مشتمل تعویذات کے جواز میں تابعین کے فتاویٰ

اگرچہ ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ''کسی صحابی ؓ کسی تابعیؒ نے تمیمہ کو جائز قرار نہیں دیا''، لیکن ہمیں اوپر مندرج حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے عمل کے علاوہ بعض تابعین کا عمل اور فتویٰ بھی جواز میں ملتا ہے مندرجہ ذیل حوالہ جات مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطب سے لیے گئے ہیں۔

1- ابو عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیّب ؓ سے تعویذ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا "لاباس اذا كان فى اديم" یعنی جب وہ چمڑے میں ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔

2- حضرت جعفر صادق اپنے والد حضرت امام محمد باقرؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "انه كان لا يرى باسا ان يكتب القرآن فى اديم ثم يعلقه" وہ قرآنی آیت کو

چمڑے پر لکھنے اور گلے میں لٹکانے میں کچھ حرج خیال نہیں کرتے تھے۔

3- حضرت محمد بن سیرینؒ کے بارے میں ہے "انه کان لایری باسا بالشئی من القرآن" وہ قرآنی تعویذ میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے۔

4- عطاء بن ابی رباحؒ کا فتویٰ تھا کہ "لاباس ان یعلق القرآن" قرآنی تعویذ لٹکانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

5- ضحاکؒ کے بارے میں ہے "لم یکن یری باسا ان یعلق الرجل الشئی من کتاب الله اذا وضعه عند الغسل و عند الغائط" وہ قرآنی تعویذ کو گلے میں لٹکانے میں کچھ حرج خیال نہ کرتے تھے البتہ غسل اور قضائے حاجت کے وقت آدمی اس کو اتار دے۔

ایک اشکال

اب ہماری بات پر صرف ایک اشکال رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے نقل کیا ہے۔ کانو یکرھون التمائم کلھا من القرآن و غیر القرآن صحابہ سارے تعویذوں کو مکروہ سمجھتے تھے یعنی ناپسند کرتے تھے خواہ قرآن کے ہوں یا غیر قرآن کے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مکروہ سمجھنا اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ناجائز ہیں۔

اشکال کا حل

یہ ہے کہ کانوا یکرھون کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ صحابہ ناپسند کرتے تھے تکرہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا یعنی کراہت کی نسبت تعویذوں کی طرف نہیں کی گئی کہ یہ کہہ سکیں کہ تعویذ مکروہ ناجائز ہیں اور کراہت تحریمی ہے بلکہ کراہت کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے۔

اب ناپسند کس وجہ سے کرتے تھے؟ کیا اس وجہ سے کرتے تھے کہ تعویذوں کا

استعمال ناجائز وحرام ہے؟

اس وجہ کو اختیار کرنا تو صحیح نہیں کیونکہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی پر مشتمل تعویذوں کی حرمت پر تو سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اوپر تفصیل گزری جواز کی دلیل البتہ موجود ہے۔ کوئی یہ خیال کرے کہ جب تمام تعویذوں کو ناپسند کرتے تھے خواہ وہ قرآن کے ہوں یا غیر قرآن کے تو جیسے شرکیہ تعویذ کو ناپسند کرنے کی وجہ ان کی حرمت ہے اسی طرح قرآنی تعویذ میں بھی وجہ حرمت ہی ہوگی کیونکہ دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ من القرآن و غیر القرآن سے شرکیہ تعویذ مراد لینا غلط ہے بلکہ مراد ہے کہ صحابہ تمام تعویذوں کو ناپسند کرتے تھے خواہ وہ قرآن سے ہوں یعنی ان پر قرآنی آیت لکھی ہو یا غیر قرآن سے ہوں یعنی ان پر اسمائے الٰہی وغیرہ لکھے ہوں اور عام طور سے ان کے ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

یدخل الجنة من امتی سبعون الفا بغیر حساب قالوا من هم یا رسول الله قال هم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون و علی ربهم یتوکلون (صحیح مسلم ج 1 ص 116)

میری امت میں سے ستر ہزار...... (مراد ہے کثیر تعداد) افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا جو نہ دم کرواتے ہیں اور نہ فال لیتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

المراد من ترکھاتوکلا علی الله تعالیٰ و رضا بقضائه و بلائه۔

(مراد وہ لوگ ہیں جو محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اور اس کی قضاء و آزمائش پر راضی ہو کر ان چیزوں کو ترک کرتے ہیں حالانکہ علاج کے یہ تمام طریقے نبی ﷺ اور بعض صحابہ سے ثابت بھی ہیں)

اورهذه من ارفع درجات المحققين بالا يمان

(یہ پکے ایمان والوں کا سب سے بلند درجہ ہے)۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں۔

وحاصله ان هولاء كمل تفويضهم الى الله عزوجل فلم يتسببوا فى دفع ما اوقعه بهم ولاشك فى فضيلة هذا الحالة و رجحان صاحبها و اما تطبب النبى ﷺ ففعله ليبين لنا الجواز (صحيح مسلم ص **116/1**)

حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سپردگی کمال درجے کی ہوئی اور جو تکلیف ان پر اللہ نے ڈالی اس کو دور کرنے کے لئے انہوں نے کسی سبب کو اختیار نہیں کیا اور اس حالت کی فضیلت اور اس حالت والے کی بلندی مقام میں کوئی شک نہیں ہے اور رہا نبی ﷺ کا علاج کرنا تو آپ ﷺ نے اس لئے کیا تا کہ علاج کے جواز کو بتا سکیں۔

کسی کے دماغ میں یہ اعتراض سمائے کہ علاج کے جواز کو تو زبانی بھی بتایا جا سکتا ہے پھر نبی ﷺ کے خود علاج کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم اسلام تو امت کے تمام طبقوں کی طرف مبعوث ہوتے ہیں اور سب کے لئے اسوہ حسنہ بنتے ہیں مذکورہ بالا حدیث کے ہوتے ہوئے جب آپ ﷺ خود علاج کو اختیار نہ کرتے تو ہوسکتا تھا کہ کوئی آپ کے زبانی ارشاد کی تاویل کر لیتا اور علاج معالجہ کو اصلاً ناجائز سمجھتا۔

تو صحابہ ؓ عام طور سے اس فضیلت اور بلند درجہ کی تحصیل کی خاطر دیگر اسباب علاج کی طرف اس سبب یعنی جائز تعویذ سے بھی اجتناب کرتے تھے۔

ایک اور وجہ جو ناپسند کرنے کی ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ فسادی اور شیطان قسم کے لوگوں کو تعویذ گنڈے وغیرہ کے ذریعے عوام کے عقیدے خراب کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے اور وہ عوام کی لاعلمی اور عقیدت سے فائدہ اٹھا کر شرک کی آمیزش کر دیتے ہیں اور اس کو قسم قسم کی تاویلات سے جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں تو باوجود قرآنی تعویذ

جائز ہونے کے صحابہ ؓ اس خدشہ کے پیش نظر عام طور سے ان کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے اور وہ دعا اور دم سے اپنی قوت ایمانی کی بدولت کامیاب ہوتے تھے۔

پانچواں باب

ڈاکٹر عثمانی اور ایمان خالص

ڈاکٹر عثمانی نے ایمان خالص کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

''گزشتہ اٹھارہ سال سے تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ وہ دن بھی لے آئے جب دنیا والوں کے سامنے میں توحیدی اور اتحادی دین کا فرق واضح کر دوں''۔

لیکن جیسا کہ سابقہ مضامین سے معلوم ہوا جو مضامین ان کی دسترس میں تھے ان کو سمجھنے کی اور ان کے بارے میں استدلال کی غلطی ظاہر ہوئی تو جس مضمون سے وہ سرے سے ناواقف تھے اس کو چھیڑ کر تو انہوں نے اپنی نا اہلیت کو بالکل کھول کر رکھ دیا ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''شریعت کی بنیاد جس طرح تین چیزوں پر ہے قرآن حدیث و اجماع اور اس کے بعد کہیں قیاس کا نمبر آتا اسی طرح دین طریقت کی بھی تین بنیادیں ہیں جن کو اتحاد ثلاثہ کا نام دیا جاتا ہے میری خواہش یہ ہے کہ شروع ہی میں آپ کے سامنے مختصر ترین الفاظ میں دین طریقت کا لب لباب رکھ دوں اس سے واقف ہو جانے کے بعد آپ ......تصوف کے سلسلہ میں ہر مشکل کو چٹکیوں میں حل کر لیں گے اس اتحاد ثلاثہ کا پہلا اصول۔

1- حلول ہے

اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی ریاضتوں کے ذریعہ نفس کی صفائی اور روح کی بالیدگی پیدا کر لے یا کسی کو ورثہ میں یہ چیزیں ملی ہوں تو ذات خداوندی اس کے اندر حلول کر جاتی ہے یعنی لاہوت ناسوت میں اور موجد موجود میں اتر آتا ہے............

اس آخری امت میں اس نظریہ کی ابتداء عبداللہ بن سبا (یمنی یہودی جو خلافت عثمان ؓ کے زمانہ میں منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوا تھا) کے پیروؤں سے ہوئی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علی ؓ کی ذات میں اور ان کی اولاد میں حلول کر آیا ہے اور اس طرح یہ حضرات اللہ کے اوتار ہیں پھر حلول کا یہ عقیدہ عبداللہ بن سبا کے ماننے والوں نصیریہ کیسانیہ قرامطہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہو گیا اور یہاں پہنچ کر وہ اصلی برگ و بار لایا......

صوفیاء میں حسین بن منصور حلاج اس عقیدہ کے پہلے علمبردار سمجھے جاتے ہیں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ لاہوت ناسوت میں حلول کر جاتا ہے خاص کر اپنے متعلق تو ان کا صریح دعویٰ تھا کہ مجھ میں اللہ حلول کر گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ انا الحق کا نعرہ لگاتے تھے ''حلول مطلق'' کا یہ عقیدہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں حلول کیے ہوئے ہے جو پہلے جہمیہ کا عقیدہ تھا حسین بن منصور حلاج اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ اس امت میں در آیا اور آج یہ دین تصوف کی رگوں کا خون بنا ہوا ہے......

2- وحدة الوجود

اتحاد ثلاثہ کا دوسرا جز جس نے قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے خالق و مخلوق کے فرق کو بدل ڈالا ہے وحدة الوجود کا نظریہ ہے اس کا کہنا یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ذات کے پھیلے ہوئے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اس نظریہ کے لحاظ سے کافر و مشرک، فاسق و فاجر، مومن و مسلم، شیطان و جن، کتا و

بلی، نجاست وغلاظت، سب اللہ کے عین وجود ہیں انہیں ذات الٰہی سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان میں اور ذات الٰہی میں کوئی غیریت ہے اور کائنات میں جو مختلف چیزیں نظر آتی ہیں یہ حسن و ادراک کا ظاہری پہلو ہے، ابن عربی جو صوفیاء میں شیخ اکبر کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس نظریہ کے موجد سمجھے جاتے ہیں۔

3- وحدۃ الشہود

اتحاد ثلاثہ کا تیسرا ٹکرا "وحدۃ الشھود" ہے اس کو "فنا فی اللہ" ہونا بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی محبت اور ریاضت کو اس قدر فروغ دے کہ حلولیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو عرش سے اتار کر کسی ذات میں داخل کرنے کی بجائے خود عروج کرے اور بلند ہو کر ذات الٰہی میں داخل ہو جائے اور اس طرح اپنی ذات کو فنا کر کے بقا حاصل کر لے کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں شیخ علاء الدولہ سمنانی المتوفی 736ھ نے ایجاد کیا ہے اور برصغیر ہند و پاک میں مجدد الف ثانی سرہندی نے اسے اوج کمال تک پہنچایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ شروع ہی سے تصوف کے ہر سلسلہ میں موجود رہا ہے۔ (ص 32 تا ص 41 ایمان خالص حصہ اول)

جواب: ہمیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اہل حق صوفیاء کی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اصطلاحات کو جاہلوں کی نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے جس طرح دوسرے جہلا ان کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اسی طرح ڈاکٹر عثمانی صاحب نے بھی باوجود یہ کہ وہ اپنے کو فاضل وفاق المدارس کہتے رہیں ان کو سمجھنے اور سمجھانے میں بری طرح ٹھوکر کھائی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحدت جس کا معنی واحد ہونا ہے تو واحد کے دو معنی ہیں "ایک" اور "یکتا" ناواقفوں اور جاہلوں نے "ایک" کے معنی لیے تو مطلب بنا لیا کہ اللہ

تعالیٰ اور سب مخلوقات کا وجود ایک ہے صورتیں مختلف ہیں حقیقت میں ایک وجود ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ہر چیز خدا ہو اور خدا ہی ہر چیز ہو چونکہ خدا تعالیٰ ازل سے ہیں قدیم ہیں تو ہر چیز ازلی اور قدیم ہو اور صفات الٰہیہ سے ہر چیز موصوف ہو وغیرہ جب کہ اہل حق کے نزدیک وحدت دوسرے معنی یعنی یکتا میں استعمال ہوا ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں اور ہر صفت میں یکتا ہیں کوئی مثل تو کیا ہوتا قریب بھی نہیں اور گو ساری مخلوق اپنے اپنے وجود سے موجود ہے مگر حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے ان کا وجود کچھ نہیں اور ان کی صفات کے سامنے کسی کی صفات کچھ نہیں۔

اس بات کی مزید وضاحت ذکر کی جاتی ہے۔

وحدۃ الوجود کی تحقیق

صوفیاء نے وحدت کو یکتا کے معنی میں لیا ہے اور یکتا اور بے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی ہمسر نہ ہو کہتے ہیں فلان واحد فی الحسن واحد فی العلم وغیرہ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم مطلقاً ہے ہی نہیں؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے دوسرے وجودات اس کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کو وجود کہا جا سکے گو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون قرآن وحدیث کے ذرا خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

غرض وحدت الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو اغیار کا بھی ہے مگر کالعدم ہے جیسے ستارے دن میں موجود تو ہوتے ہیں جس کو اہل علم جانتے ہیں مگر آفتاب کے سامنے کالعدم ہوتے ہیں نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تھانیدار چپڑاسی پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر وزیر اعظم کے سامنے وہ بول بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی حکومت کالعدم ہو جاتی ہے نیز ایک ماہر

فن قاری کے سامنے ایک طفل مکتب کو کوئی قاری نہیں کہتا گو کسی قدر پڑھنا اس نے سیکھا ہی ہو۔

غرض گفتگو میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشئی اور کالعدم سمجھا جاتا ہے اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بس قاری تو فلانا ہے سخی تو وہ ہے۔ حسین تو یہ ہے اور ناقص سے بالکلیہ اس کی نفی کرتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں یہ معنی نہیں کہ فی نفسہ (یعنی اپنی ذات میں) بھی کچھ نہیں یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود سے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کسی درجہ میں قابل ذکر نہیں۔ اس لیے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایمان ہے اور اتحاد وجود کفر ہے۔

بہرحال جب صوفیاء کے نزدیک اتحاد وجودین (دو وجودوں کا بالکل ایک ہونا) کفر ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ محققین کے قول میں اور جہلاء کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے کتنا فرق ہے۔ وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے تھے اور یہ ظالم ہر چیز کو خدا کہتے ہیں نعوذ باللہ منہ (ماخوز از بدیعہ 74۔البدائع۔افادات مولانا تھانویؒ)

وحدۃ الوجود کی جو تحقیق ذکر کی گئی جب تک یہ آدمی کے علم کی حد تک رہے تو صوفیاء اس کو توحید کہتے ہیں اور جب یہ بات کسی شخص کا حال بن جائے یعنی یہ کہ اس کی مستقل کیفیت یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے آگے دوسروں کے وجود مثل معدوم کے سمجھتا ہے تو اس کو فنا کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الشہود کا حاصل بھی ہے۔

وحدۃ الشہود کی تحقیق

اس کا ترجمہ ہے مشہود کا ایک ہونا یعنی واقع میں تو ہستی اور موجود متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے اس کی ایک مثال لکھی ہے۔

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ

بتابد بشب کرمک چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز۔
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
نہ بینی کہ آں کرمک خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جزبہ صحرانیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

شاید تم نے دیکھا ہوگا کہ باغ وغیرہ میں ایک کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے۔

کسی نے اس سے کہا کہ اے رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھ کو کیا ہوا کہ تو دن میں باہر نہیں آتا۔

تمہیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے جواب عقلمندی سے کیا عمدہ دیا۔

کہ میں تو دن رات جنگل کے سوا کہیں نہیں ہوتا مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔

غرض جن لوگوں کی نظر آفتاب (وجود حقیقی) پر ہوتا ہے اس وقت جگنو یعنی اشیائے عالم کا وجود ان کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جو لوگ اندھیرے میں ہیں جن کی نظر سے آفتاب وجود حقیقی غائب ہے وہ البتہ اشیائے عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں اور جو محقق ہیں کہ مغلوب الحال نہیں ہیں ان کی نظر آفتاب وجود حقیقی پر ہونے کے ساتھ مخلوق پر بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں حقیقی نہیں بلکہ صرف لفظی اختلاف ہے مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گیے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔ (التکشف ص 114)

حلول کی تحقیق

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے صوفیاء کی طرف عقیدہ حلول کی نسبت کی ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ اہل حق صوفیاء صرف وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے قائل نہیں ہیں کہ عالم موجود ہو پھر ذات حق کے ساتھ وجود میں متحد (ایک) ہو اس سے حلول کی نفی ہوتی ہے کیونکہ حلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں حلول کرے دونوں موجود ہوتے ہیں پھر ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جب کہ یہ حضرات عالم کے وجود کو ذات حق کے وجود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ (ابوادر النوادر مولانا تھانویؒ)

اب ہم ڈاکٹر عثمانی صاحب کی کتاب ''ایمان خالص'' سے چند باتیں نقل کرتے ہیں جن کو ڈاکٹر عثمانی صاحب نے شرک خیال کیا ہے اور ایمان خالص کے مخالف سمجھا ہے۔

پہلی مثال

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں ''حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھو لئے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لئے کہہ دیا اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا حد سے زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگی فرشتے نے آ کر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی''۔ (ص 58 ایمان خالص)۔

اس قصے میں ڈاکٹر عثمانی صاحب کے لئے جو بات قابل اعتراض ہو سکتی ہے وہ فرشتے کا آ کر بشارت دینا ہے لیکن ڈاکٹر عثمانی صاحب قرآن پاک کی کوئی آیت یا کوئی حدیث ایسی بتا دیں جس سے معلوم ہو کہ غیر نبی کے لئے ایسا ہونا جائز نہیں ہے جب کہ اس کے برعکس ہم قرآن پاک اور حدیث میں دیکھتے ہیں کہ غیر نبی کے پاس بھی فرشتہ آیا اور کلام بھی کیا ہے قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مشہور ہے کہ فرشتے نے آ کر ان سے کلام کیا۔

فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمٰن منك ان كنت تقیا قال انما انا رسول ربك لا هب لك غلاما ذكيا (سوره مریم)

پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو متقی۔ بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔

اور فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سے کلام کیا۔

قالت یولتیٰء أَلدوانا عجوز و هذا بعلی شیخا ان هذا الشیئٌ عجیب قالوا اتعجبین من امر الله رحمت الله و بركته علیكم اهل البیت انه حمید مجید (سورة هود ركوع 7)

بولی ہائے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا یہ تو ایک عجیب بات ہے وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں تم پر اے گھر والو بے شک اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا۔

علاوہ ازیں ایک حدیث جبرائیل کے نام سے مشہور ہے اس کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آئے صحابہ ؓ آپ کی گرد بیٹھے تھے یہ آ کر نبی ﷺ کے سامنے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور ایمان اسلام اور علامات قیامت سے متعلق سوال گئے صحابہ جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے انہوں نے حضرت جبرائیل کو انسانی شکل میں دیکھا اور ان کو سوال کرتے سنا۔

دوسری مثال

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں ''حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا بعض خاص یاران طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بلند مقامات کو پہنچے گا چنانچہ آپ کے دل میں

شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا جب مخدومی شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگے کہ یہ بچہ ان کی لخت جگر سے ہو اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات پکی ہوگئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی حضرت والد نے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے فقیر (ولی اللہ) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک رات حضرت والد ماجد نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں اسی اثناء میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے حضرت والد نے فرمایا یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا وہ ہمارے ساتھ دعا مانگ رہا ہے اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نماز تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے (ص 58/59 ایمان خالص پہلا حصہ)

اس قصے میں کوئی بات بھی تو ایسی نہیں ہے کہ جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو کیا آئندہ ہونے والے واقعہ کا بذریعہ کشف علم ہو جائے تو اس کو علم غیب کہتے ہیں کشف بھی علم کا ایک ذریعہ ہے جیسے وحی اور حواس علم کا ذریعہ ہیں جو بات کسی ذریعہ سے معلوم ہو وہ علم غیب نہیں ہوا کرتی خاص طور سے جب کہ وہ ذریعہ بھی قدرت خداوندی میں ہو کہ اللہ چاہیں تو کشف ہو جائے اور چاہیں تو نہ ہو علم غیب تو وہ ہوتا ہے جو کسی ذریعہ کا محتاج نہ ہو اور وہ ذات جو علم غیب بھی رکھے اس کی قدرت میں ہو کہ وہ جب چاہے معلومات حاصل کر لے اور ظاہر ہے کہ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور علم غیب نہیں رکھتا خواہ وہ نبی ہو یا ولی ہو کہ یہ خاصہ خداوندی ہے۔

دیکھئے قرآن پاک میں ہے۔

ولما فصلت العير قال ابوهم انى لا جدريح يوسف لو لا ان تفندون۔

''اور جب جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو محسوس کرنا حالانکہ یہ کوئی وحی کا مسئلہ نہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے علم غیب کو بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا اور جب معجزے سے علم حاصل ہو سکتا ہے تو کرامت سے بذریعہ کشف علم حاصل ہونے میں کیا استبعاد ہے؟ آخر معجزہ اور کرامت کی حقیقت ایک ہی تو ہے یعنی یہ کہ خلاف عادت کام جو اللہ عالیٰ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیں تو معجزہ ہے اور ولی کے ہاتھ پر ظاہر فرمادیں تو کرامت ہے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک ہی میں ہے۔

و اوحينا الى ام موسىٰ ان ارضعيه فاذا خفت عليه فالقيه فى اليم۔

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تجھے ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کوئی نبی تو نہیں تھیں کہ ان پر وحی نبوت ہوئی ہو بلکہ ان کے دل میں مطلوبہ بات جما دی گئی۔ تو یہ بھی ذریعہ علم ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو علم حاصل ہوا وہ علم غیب شمار نہیں ہوتا۔

ایسے ہی کشف ہے۔

اسی طرح دیکھئے حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے ہیں کشف ہوا کہ مسلمان لشکر کے ساتھ ہزیمت کا معاملہ ہو رہا ہے تو فرمایا یا ساريه الجبل (اے ساریہ پہاڑ کو اوٹ بناؤ) آخر یہ کشف ہی تو تھا علم غیب تو نہیں تھا دور کی بات جب کشف سے حاصل ہو سکتی ہے اور وہ غیب نہیں کہلاتی تو آئندہ کی کوئی بات کشف سے معلوم ہو جائے تو اس کے مانع کونسی آیت و حدیث ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب اعتراض کے طور پر لکھتے ہیں ''شاہ عبدالرحیم صاحب نے یہ

فرمایا کہ ابھی میری کافی عمر باقی ہے اور لڑکے بھی ہوں گے اس کلیہ کو ختم کر دیا کہ کسی کو اپنی عمر اور اولاد کے بارے میں کل کی خبر نہیں''۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے جو کلیہ ذکر کیا ہے اس کو انہوں نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں اس لئے اعتراض کیا ہے۔ یہ کلیہ اور ضابطہ بنتا ہے تو یوں بنتا ہے کہ کسی کو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے اپنی عمر اور اولاد کے بارے میں کل کی خبر نہیں۔ ہاں اگر کسی ذریعہ سے پتہ چلے مثلاً اللہ تعالیٰ ہی کسی پر کھول دیں تو یہ ہو سکتا ہے۔ یہ بات قرآن پاک اور حدیث سے ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے۔

یا زکریا انا نبشرك بغلام۔

(اے زکریا ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی)۔

صحیح مسلم میں ہے۔

عن جابر قال سمعت النبی ﷺ یقول قبل ان یموت بشهر...... اقسم بالله ما علی الارض من نفس منفوسة یا تی علیها مائة سنة و هی حیة یومئذٍ۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات سے ایک ماہ پیشتر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ اس پر اگلے سال (پورے) گزریں (یعنی سو سال پورے ہونے سے پہلے ہی اس کو موت آ جائے گی)۔

اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے جب وحدت کو اتحاد بنا دیا اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تفسیر اہل حق سے لینے کے بجائے جاہلوں اور گمراہوں کی بات پر اعتماد کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ صوفیاء تو خدائی کا دعویٰ رکھتے ہیں...... حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے...... اس لئے انہوں نے صوفیاء کی ہر بات کو خدائی رنگ میں دیکھنا شروع کر دیا اور ان کو جو جتنا بڑا شیخ اور صوفی نظر آیا اس کے اندر شرک بھی اسی تناسب سے

زیادہ نظر آیا ڈاکٹر عثمانی صاحب نے جب اپنی آنکھوں پر غلط فہمی بلکہ بدفہمی کی عینک چڑھالی ہے تو اب ان کو اسی طرح نظر آتا ہے اس کا علاج تو بس یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس عینک کو ہٹالیں اور حقائق جیسے ہیں ان کو اسی طرح دیکھنے کی کوشش کریں۔

تیسری مثال

حضرت مجدد الف ثانیؒ ''قطب ارشاد اور اس کا فیضان عام'' کے عنوان سے فرماتے ہیں قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت ہی کم پایا جاتا ہے بہت صدیوں اور زمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ دنیائے تاریک اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہے اور اس کی ارشاد و ہدایت کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے عرش کے دائرہ سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رشد ہدایت ایمان اور معرفت حاصل ہوتی ہے اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ مثال کے طور پر اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی صورت میں پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہوتا ہے اور وہ دریا گویا کہ منجمد (جما ہوا اور بستہ) ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرکت نہیں جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طلبگار کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران گویا کہ ایک سوراخ اس طلبگار کے دل میں کھل جاتا ہے اور اس راستہ سے جس قدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکر الٰہی جل شانہ کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے لیکن اس کی بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں ہے تو اسی اندازہ کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ فیض رسانی پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔

قطب الارشاد کا انکار

البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو کتنا ہی ذکر الٰہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول رہا کرے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہوگی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے بلا حقیقت کے صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے۔

قطب الارشاد سے اخلاص

اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا ہے خواہ وہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی تعالیٰ شانہ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے والسلام علی من اتبع الھدی (جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں ان پر سلامتی ہو) (ص 77/78 ایمان خالص حصہ اول)

جواب

ڈاکٹر عثمانی صاحب اتحاد اور حلول کی غلط فہمیوں سے نکل کر بتائیں کہ یہ مضمون کس طرح سے قرآن و حدیث کے مخالف ہے۔ وہ لوگ جو رشد و ہدایت کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان کی استعدادیں اور ان کے درجے مختلف ہوتے ہیں ایسے کسی ایک شخص کی بھی مخالفت مضر ہوتی ہے کجا کہ اس کی مخالفت جو رشد و ہدایت میں اونچا مرتبہ رکھتا۔ ہو اس کے ساتھ تعلق اور خلوص رکھنا یقیناً اپنی ہدایت میں قوت و اضافہ کا موجب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ انکار و عداوت کا معاملہ رکھنا جس کا منشاء محض نفس پرستی یا دنیا طلبی ہو یقیناً ہدایت میں کمزوری کا سبب ہوگا۔

رہا ڈاکٹر عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ ''للہ بتاؤ کہ آج کا قطب ارشاد کون ہے مبادا اس کی شان میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور انسان کہیں کا نہ رہے'' تو ڈاکٹر عثمانی صاحب کو اس اقتباس کے شروع کا جملہ دوبارہ پڑھ لینا چاہئے تھا جو یہ ہے ''قطب ارشاد...... بہت ہی کم پایا جاتا ہے بہت صدیوں اور زمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے''۔ اس لئے اگر ہم یہ کہیں کہ آج کے قطب ارشاد بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے سلسلہ کے حضرت سید احمد شہیدؒ ہیں تو غلط نہیں ہے اور ڈاکٹر عثمانی صاحب نے ان کی شان میں (بلکہ آسمان رشد و ہدایت کے مہ و خورشید اور دیگر روشن ستاروں کی شان میں) گستاخی کر کے اپنے آپ کو کہیں کا نہ چھوڑا ہمارا یہ رسالہ اس بات پر گواہ ہے کہ ایسے ہی لوگوں سے ایسی ہی بے عقلیاں اور غلطیاں ہوتی ہیں جیسی کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب سے سرزد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی عافیت میں رکھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔